مجلس ادارت

ریم معصومی. کلکتہ ۲. پروفیسر نذیر احمد. علی گڑھ.
ندوی. لکھنؤ ۴. پروفیسر مختار الدین احمد علی گڑھ ۵. ضیاء الدین اصلاحی (مرتب)

معارف کا زر تعاون

س سالانہ اسّی روپے
سالانہ دو سو روپے　　فی شمارہ سات روپے

سالانہ　　ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر
بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

یل زر کا پتہ : حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ
بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ. کراچی

آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI AC
AZAMGARH

خ کو شائع ہوتا ہے. اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو
ہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے.
بھیجنا ممکن نہ ہوگا.

ت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں
لم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی.
ہوگا. رقم پیشگی آنی چاہیے.

جلد ۱۶۵ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۲۰۰۰ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات	ضیاء الدین اصلاحی	۲۳۱-۲۴۴
مقالات		
عمید الدین ابو نصر ابزری فارسی انصاری مصنف قصیدۂ اشکنوانیہ معاصر سعدی شیرازی	پروفیسر نذیر احمد صاحب	۲۴۵-۲۷۱
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مطالعہ و خدمت قرآن کی سرگزشت	ضیاء الدین اصلاحی	۲۷۲-۲۹۷
الفاظ سے مشتق اقبال کی چند بصیرت افروز اصطلاحیں	جناب محمد بدیع الزماں صاحب	۲۹۸-۳۱۰
معارف کی ڈاک		
(۱)	مولانا سید محمد رابع الحسنی الندوی صاحب	۳۱۱-۳۱۲
(۲)	جناب محبوب الرحمٰن فاروقی صاحب	۳۱۳
(۳)	جناب محمود حسن حسنی ندوی	۳۱۳-۳۱۴
مطبوعات جدیدہ	ع-ص-	۳۱۵-۳۲۰

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

از

علامہ شبلی نعمانیؒ

علامہ شبلیؒ کا فاضلانہ مضمون جس میں اورنگ زیب عالمگیر پر عائد کئے گئے الزامات و اتہامات کی
تردید کی گئی ہے.

قیمت : ۸۵ روپے.

شذرات

...الحسن علی ندویؒ کی غیر معمولی عظمت و مقبولیت اس سے بھی آشکارا ہے کہ ان کی وفات کے
...جلسے ہوئے ان پر برابر مضامین لکھے جارہے ہیں، رسالے اور اخبار اپنے خاص نمبر
...ن پر سیمیناروں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ سب سے پہلے ہمارے پاس جنوری کے
...اسلام کے ۲۸ مارچ کو ہونے والے سیمینار کا دعوت نامہ آیا، ممبئی میں دارالمصنفین کے
...ہے، ان سے ملاقات انجمن اور دارالمصنفین کے قدیم روابط اور خود حضرت مولانا کی
...بنا پر ہم نے اس میں شرکت منظور کرلی، چند روز بعد ہمارے خاص کرم فرما پروفیسر
...نامہ سے معلوم ہوا کہ شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حضرت مولانا پر سیمینار ہونے
...دعوت نامہ آیا اور شعبہ کے چیرمین اور سیمینار کے کنوینر ڈاکٹر صلاح الدین عمری نے
...اصرار کیا، اسی درمیان مولانا سلمان حسینی کا دعوت نامہ آیا کہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی
...ینار ہورہا ہے، اس کی تاریخیں وہی تھیں جو انجمن اسلام ممبئی کی تھیں اس لئے خواہش کے
...ت محرومی رہی۔ سب کے آخر میں مولانا ریاض الدین فاروقی ناظم کاشف العلوم کا دعوت نامہ
...ں بھی اطلاع ہوئی۔

...لی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے سیمینار کا ذکر گزشتہ شمارے میں نہیں کیا جاسکا تھا،
...افتتاحی جلسے کی صدارت ڈاکٹر محمود الرحمن وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے کی،
...تقریر میں مولانا کے نام سے یونیورسٹی میں چیئر قائم کرنے کا اعلان کیا، سیمینار کے
...قاسمی کے خیر مقدمی کلمات سے سیمینار کا آغاز ہوا، ڈاکٹر صلاح الدین عمری نے موضوع کی اہمیت
...ولانا سعید الرحمن اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کلیدی تقریر کی، پروفیسر محمد
...محمد سالم قدوائی نے مولانا کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کئے، شعبہ کے استاذ ڈاکٹر

ابوسفیان اصلاحی نے خوبصورت انداز میں شرکا کا شکریہ ادا کیا، مقالات کے جلسوں کی مختلف حضرات نے صدارت کی، میں نے جو مضمون پڑھا تھا وہ بعض حضرات کے اصرار کی وجہ سے اس شمارے میں شائع ہورہا ہے۔ مقالات کے جلسے ۹-۱۰ بجے صبح سے ۸½ بجے شب تک ہوتے تھے، شرکا کی تعداد معتد بہ تھی، لوگ بڑی توجہ اور دلچسپی سے مقالات سنتے اور بحث و گفتگو میں حصہ لیتے۔ مولانا کی برکت، ڈاکٹر صلاح الدین عمری کے اخلاص اور شعبہ کے اساتذہ و طلبہ کی دلچسپی سے یہ سیمینار کامیاب رہا، شعبہ کے ریسرچ اسکالر رشید احمد ندوی اور توقیر احمد ندوی مہمانوں کی خدمت اور پذیرائی میں پیش پیش رہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو انجمن اسلام ممبئی سے خاص لگاؤ تھا، اس کے اسٹیج سے وہ متعدد بار قوم کو خطاب فرماچکے ہیں، اس لئے انجمن کے ارکان نے مولانا کے فکر و پیغام کو عام کرنے کے لئے ۲۸ مارچ کو یک روزہ علمی سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا جو انجمن کے صدر ڈاکٹر محمد اسحٰق جمخانہ والا کی صدارت میں الماطیفی ہال صابو صدیق کمپلکس میں ہوا جس کی نظامت انجمن کے اعزازی ڈائرکٹر آدم شیخ نے کی۔ مولانا سید محمد رابع ندوی کا پُرمغز مقالہ مولوی محمد الیاس بھٹکلی نے پڑھا، مولانا ابوظفر حسان ندوی نے اپنا جامع مقالہ بڑے دلچسپ انداز میں پڑھا، جناب شمیم طارق کا مقالہ بھی اچھا تھا، حسن اتفاق سے مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کی شرکت اور دلچسپ تقریر سے سیمینار کی رونق بڑھ گئی۔ دوسرے اجلاس میں راقم اور مولوی عبدالرزاق ندوی کے مقالے ہوئے، وقت کی کمی کی بنا پر مولانا محمد سالم قاسمی اپنا مقالہ نہیں پڑھ سکے، مگر ان کی جاندار تقریر سے حاضرین محظوظ ہوئے۔ مولانا مستقیم احسن اعظمی کی مختصر تقریر اور ڈاکٹر آدم شیخ کے شکریے کے بعد یہ باوقار اور کامیاب سیمینار اختتام پذیر ہوا، اس میں پڑھے گئے مقالے انشاء اللہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سہ ماہی ادبی و علمی مجلہ "نوائے ادب" کے خاص نمبر میں شائع ہوں گے۔

ان ہی دنوں بھیونڈی کی پیوپلس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام چلنے والے صلاح الدین ایوبی میموریل

ں سلو ر جبلی تقریبات منائی جارہی تھیں اس سلسلے میں ۲۵ مارچ کو ایک کل ہند مشاعرہ
ں ملت اور دورِ حاضر کے تقاضے" کے عنوان سے ایک تعلیمی سمینار بھی ہوا سوسائٹی کے
یس اعظمی نے مجھے بھی دعوت نامہ بھیجا اور کئی بار فون کیا یہ دونوں پروگرام بھی کامیاب رہے
رتیم جیراجپوری وائس چانسلر مولانا آزاد اردو یونیورسٹی ڈاکٹر اسحاق جم خانہ والا ڈاکٹر
ے۔ فیضان مولانا ابوظفر حسان ندوی اور خاکسار کے علاوہ بعض صحافی حضرات کی
ستقیم احسن اعظمی نے بڑی خوش اسلوبی سے نظامت کی بھیونڈی کے قیام میں مولانا
م ہارون صاحب بڑا کرم فرماتے رہے بمبئی کے کرم فرماؤں کے نام لکھوں تو کئی چھوٹ جائیں گے۔
رہیں گی۔ ڈاکٹر اسحاق جم خانہ والا نے ۳۰ مارچ کو انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
ری ملاقات اور تبادلۂ خیال کا پروگرام رکھا تھا اس خوشگوار تقریب میں پروفیسر
کیا اور ان کے اور جناب رضوان فاروقی اور جناب معین الحق کے ہمراہ اپنے مستقر پر
بئی مہاراشٹر کا سب سے بڑا تعلیمی و تربیتی ادارہ ہے جس کے تحت ستر سے زیادہ تعلیمی ادارے
رکان کا جوش و ولولہ اور اخلاص قابلِ تحسین ہے۔

بئی کے پر لطف سفر کی وجہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے جلسۂ انتظامیہ منعقدہ ۲ مارچ میں
ی مجلس نظامت نے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی جگہ مولانا سید محمد رابع ندوی کو دار العلوم
یا تھا اب انتظامیہ نے بھی اس کی توثیق کر دی ہے مولانا سید محمد رابع اور دار العلوم
ہیں ان کا ذہنی و دماغی سانچہ یہیں تیار ہوا ہے ان کو اس سے عشق ہے اور اس کی
پیوست ہے شروع ہی سے وہ مولانا علی میاں کے زیرِ تربیت رہے اور عرصۂ دراز سے ان کی
انتظامی کام انجام دے رہے ہیں اس لئے یہ انتخاب بالکل مناسب درجہ ہے۔

ئے اور ان کی قیادت میں ادارے کو مزید ترقی بخشے۔ آمین!!

مقالات

عمید الدین ابونصر ابزری فارسی انصاری

مصنف قصیدہ اشکنوانیہ معاصر سعدی شیرازی

از جناب پروفیسر نذیر احمد صاحب ٭

عمید الدین ابی نصر ابزری[1] اتابک سعد بن زنگی (۵۹۱[2]-۶۲۳) کا فاضل وزیر تھا اور سلطنت کے سارے امور اسی سے متعلق تھے، وہ عربی و فارسی شاعری اور نثر نویسی میں کمال کا درجہ رکھتا تھا مگر بدنصیب تھا، اس لئے کہ اتابک سعد بن زنگی کی وفات کے بعد ہی اس کو قلعہ

---

[1] ابزر جس کا تلفظ افزر ہے، شیراز کے جنوب میں ۳۵ فرسخ پر واقع ہے، علامہ قزوینی نے شد الازار کے حاشیے ص ۲۱۵ میں لکھا ہے: ہو عمید الدین ابونصر اسعد بن نصر بن جشیار بن ابی شجاع بن حسین بن زجان فالی ابزری وزیر آتابک سعد بن زنگی (۵۹۴-۶۲۳) و صاحب قصیدہ معروف اشکنوانیہ وی از فضلاء مشہور عصر خود بودہ و با امام فخر رازی معاصر و ما بین ایشان مکاتباتی راجع بہ مسائل علمیہ شدہ بودہ و راقم این سطور عکسی از این مکاتبات.. بدست آوردہ ولی فعلاً بدان دسترسی ندارم (شد الازار حاشیہ ص ۲۱۵-۲۱۶) [2] شیراز نامہ ص ۴، سے معلوم ہوا کہ سعد بن زنگی تکلہ بن زنگی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور تکلہ کی وفات ۵۹۱ھ لکھی ملتی ہے لیکن شد الازار ح ص ۲۱۵ میں سعد بن زندگی کی ابتدائے حکومت ۵۹۴ھ درج ہے۔

٭ سابق صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی، ۴/۶۴۵۔ سر سید نگر۔ علی گڑھ۔

قید کر دیا گیا، یہ فارس کا مشہور قلعہ تھا، اسی قلعے میں اس نے ایک نہایت طویل[۲]
میں اپنی برأت کے لئے التماس اور جس میں اپنے کو بے قصور ثابت کیا ہے۔
ن زنگی اور اس کے بیٹے ابوبکر بن سعد میں اختلاف ہوا تو جنگ[۳] کی نوبت آگئی،
شکست ہوئی اور وہ قید کر دیا گیا، ۶۲۳ھ میں آتابک سعد کی وفات ہوئی تو
نشین ہوا[۴] تخت پر بیٹھتے ہی اس نے عمیدالدین ابونصر ابزری سے بدلہ لینے
چند روز بعد آتابک ابوبکر نے عمیدالدین کو فارس کے مشہور قلعہ اشکنوان
ی ۲: ۳۳۲، آثار عجم ۲۲۲ - ۲۲۵) میں قید کر دیا،[۵] اس کے ساتھ اس کا

کا مشہور قلعہ تھا، دیکھئے شد الازار ص ۲۱۶، ۴۳۳، ۵۱۹، ۵۲۱ وغیرہ اشکنوان
ہ سہ قلعہ بود در حوالی شہر استخر بر روی سرکوہ مجموع آنہا را سہ گنبدان می گفتند۔
ص ۴۰) [۲] اشکنوان کی نسبت سے یہ قصیدہ اشکنوانیہ کے نام سے مشہور ہوا اس میں
[۳] سلطان محمد بن تکش والی خوارزم نے ۶۱۴ھ میں عراق پر حملہ کیا تو آتابک سعد
کے لئے آگے بڑھا اور خوارزم شاہ کی فوج کو بھگا دیا، لیکن آتابک خود گھوڑے پر
شاہیوں کے ہاتھ پڑ گیا، سلطان محمد بن تکش نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اس نے
تون کو اپنے بیٹے جلال الدین کے لئے نامزد کرا کر سعد بن زنگی کو شیراز لوٹا دیا یہاں
میں امرائے شیراز نے آتابک کے بیٹے ابوبکر بن سعد کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جب
تھا تو اس پر حملہ کر دیا، آتابک سعد کے ساتھ خوارزمی سپاہ کا دستہ تھا اس نے ابوبکر
آتابک ابوبکر نے باپ پر ضرب لگائی، مگر اس کا اثر نہ ہوا آخر میں سعد نے اپنے
د کر دیا (شیراز نامہ ص ۴۷-۴۳) [۴] ابوبکر بن سعد ۱۲ ذی قعدہ ۶۲۳ھ کو تخت پر
ص ۲۱۶ حاشیہ) [۵] یکم ذی الحجہ ۶۲۳ھ عمید کے قید کی تاریخ ہے (ایضاً)۔

بیٹا تاج الدین محمد بھی محبوس تھا، عمیدالدین کو چند ماہ بعد[۱] قتل کر دیا لیکن تاج الدین محمد رہا ہو گیا، قید ہی میں عمیدالدین نے ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ لکھا، قید خانے میں قلم دوات وغیرہ کچھ نہ تھا، کوئلے سے دیواروں پر اشعار لکھے گئے جن کو بیٹے نے ازبر کر لیا اور قید سے رہائی کے بعد قصیدے کے متن کو[۲] درست کیا گیا، پھر اس پر مفصل شرح لکھی گئی، اس کے نتیجے میں علمی دنیا میں اس کی بڑی شہرت ہوئی، یہی نظم قصیدہ اشکنوانیہ کے نام سے عالمگیر شہرت کی مالک ہوئی۔

تاریخ وصاف[۳] میں عمیدالدین کے سلسلے کی تفصیل درج ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

آغاز میں آتابک سعد بن زنگی کا وزیر رکن الدین صلاح کرمانی تھا اور آخر میں عمیدالدین ابونصر ابزری ہوا، عمیدالدین مرد فاضل تھا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا، دونوں کا دیوان موجود ہے ایک بار رسالت کے طور پر سلطان محمد خوارزم شاہ کے یہاں گیا، سلطان نے اس کی بڑی تکریم کی اور اس کو سنہری کرسی پر بٹھایا... خواجہ عمیدالدین نے[۴] استادالبشر خواجہ امام فخرالدین عمر رازی سے دوستی پیدا کی اور مراسلت کا آغاز کیا، اور قصہ سلامان و ابسال کے قصے کے اشکال کو دور کیا، یہ قصہ نفس ناطقہ کا اشکال ہے۔

آتابک سعد ۶۱۴ھ[۵] میں حدود رے گیا اور سلطان محمد خوارزم شاہ پر حملہ کیا اور

---

[۱] جمادی الاول یا جمادی الثانی ۶۲۴ھ قتل کی تاریخ ہے (شد الازار ص ۲۱۶ حاشیہ) [۲] لیکن عمید کی رہائی میں نہ اس قصیدے کا کچھ اثر ہوا اور نہ ان اشعار کا جو اس نے قید سے بھیجے تھے، اشعار یہ تھے:

ای وارث تاج و ملکت و افسر سعد　بخشائے خدا بہ جان و سر سعد
بر من چو کہ نام خویشتن تا ہستم　ہمچو الف ایستادہ ام بر سر سعد (شیراز نامہ ص ۸۱)

[۳] تحریر تاریخ وصاف ص ۸۷ [۴] ایضاً [۵] ص ۸۹۔

زم شاہ آتابک کی بہادری ؤ دلاوری سے بہت متاثر ہوا،
ر وہ گرفتار ہوجائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے اور زندہ
آتابک کا گھوڑا گر پڑا، چنانچہ خوارزم شاہیوں نے آتابک
نے گئے، سلطان اس کی دلاوری سے بے حد متاثر ہوا
شاہانہ طور پر رکھا، چنانچہ آتابک وہاں شاہانہ طور پر رہنے
تے سب امرا میں تقسیم کر دیتا، اس کی وجہ سے خوارزم شاہ
بزم میں آنے جانے کی اجازت دی' آخر قرار پایا کہ آتابک
کے بیٹے سلطان جلال الدین کے ساتھ کرے اور اپنے
ان کے پاس چھوڑے اور ممالک فارس کے محصولات کا
یس بھجوائے اور استخر اور اشکنوان دونوں قلعے خوارزم شاہ

[1] کو جب ان امور کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت غضبناک
موروثی ملک کو برباد کر دیا، پس اس نے اپنے باپ
آتابک سعد خوارزم سے واپس آرہا تھا تو بیٹا اس کے
اس کے ساتھ کافی لوگ تھے' انہوں نے آتابک سعد پر
میوں کا جو حفاظتی دستہ تھا اس کے نوّ آدمیوں کو
ساتھ جو فوج بھی تھی اس نے ابوبکر بن سعد کو شکست
میں قید کر دیا گیا، آتابک سعد حکومت کرنے لگا اور

دوکھی جا [2] ص ۹۰-

سلطان محمد خوارزم شاہ سے رابطہ بڑھایا، اپنی بیٹی ملکہ خاتون کو ساز و سامان کے ساتھ خوارزم بھیجا، کچھ دنوں بعد آتابک سعد کی وفات ہوگئی، اس کی وفات پر اس کا بیٹا آتابک ابوبکر قید سے نکالا گیا اور وارث تخت قرار پایا، یہ واقعہ ۶۲۳ھ کا ہے' آتابک کو عمیدالدین ابزری وزیر آتابک سعد سے بڑی رنجش تھی، چنانچہ تخت نشین ہونے کے چند ماہ کے اندر ابزری کو قلعہ اشکنوان میں قید کر دیا اور چند ہی ماہ کے اندر اسے پھانسی دی، عمید نے ایک رباعی اپنی برأت کے لئے آتابک کے پاس بھیجی جو اس طرح ہے:

ای وارث[1] تاج و مملکت وافسر سعد الخ

لیکن یہ بے اثر ثابت ہوئی۔ پھر قید خانے ہی میں قصیدہ اشکنوانیہ[2] لکھا، لیکن قلم سیاہی وغیرہ کے نہ ہونے کی بنا پر کوئلے سے دیوار پر اشعار لکھے گئے، ان اشعار کو عمید کے بیٹے تاج الدین محمد نے جو باپ کے ساتھ محبوس تھا، ازبر کر لیا، ۶۲۳ھ میں عمید کو پھانسی دے دی گئی مگر بیٹا چھوٹ گیا، یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، مطلع یہ ہے:

من یبلغن حمامات ببطحاء ممتعات بسلسال وخضراء

یہ اشعار عمید کے بیٹے تاج الدین محمد باپ کی ہدایت کی بنا پر خود عمید کے ماموں زاد بھائی امام[3] المتبحرین صفی الدین ابوالخیر مسعود سیرافی کے پاس لے گئے، انہوں نے اشعار کی ترتیب درست کر دی، پھر صفی الدین سیرافی کے نامور بیٹے مولانا قطب الدین[4] محمد نے

---

[1] دیکھئے شیراز نامہ ص ۸۱ [2] ایضاً نیز رک: شدالازار حاشیہ ص ۲۱۶، ۴۳۲، ۵۱۷ بعد [3] ان کے حالات کے لئے دیکھئے شدالازار ص ۴۳۰ بعد [4] دیکھئے شدالازار ص ۴۳۰، ۴۳۳، ۵۱۷-۵۲۱-

ح لکھی۔

صاف سے لی گئی ہیں جو اس سلسلے کا سب سے قدیم اور معتبر

ریم ماخذ قطب الدین محمد سیرانی فالی کی شرح قصیدہ اشکنوانیہ

سعد ابی نصر ابزری ناظم قصیدہ کے ماموں زاد بھائی صفی الدین

لدین اور قطب الدین دونوں باپ بیٹوں کا مفصل اور

یاہے، اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین اقسام

نے اپنی تمام عمر علم کی خدمت میں صرف کی، ہینٹ سال کی

ول درس و تدریس اس کا محبوب مشغلہ رہا، عمر زیادہ

ول ہوا، اس کی مشہور تصانیف میں حسب ذیل کتابوں

توضیح حاوی (فقہ)، شرح توضیح (فقہ)، شرح لباب

لاغراب۔

رسے قطب الدین کی شرح قصیدہ اشکنوانیہ کافی اہم

یدیہ بھی کہلاتا ہے، اس لئے کہ اس کا ناظم عمیدالدین ابی

ا اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، یہ قصیدہ قید کی

نے میں قلم دوات کے نہ ہونے کی بنا پر کوئلے سے دیوار

بیٹے تاج الدین محمد نے جو باپ کے ساتھ محبوس تھا،

قتل کر دیا گیا، لیکن بیٹا چھوٹ گیا، اس کے واسطے سے

موں زاد بھائی صفی الدین مسعود سیرانی کو پیش ہوا تو

اس نے اس کی ترتیب درست کر دی، پھر یہ قصیدہ سارے ملک میں مشہور ہو گیا، قصیدے کی شرح صفی الدین کے فاضل فرزند قطب الدین محمد نے کی، یہ شرح کافی مقبول ہوئی، اس نے قصیدے کی شہرت میں اضافہ کیا، شرح کے متعدد نسخے آج بھی پائے جاتے ہیں، ان میں دو قدیم اور کافی اہم ہیں، ایک نسخہ جس کی کتابت صفر ۷۴۳ھ میں ہوئی، مشہد مقدس کے کتاب خانے میں محفوظ ہے، دوسرا قدیم نسخہ جو آخر سے ناقص ہے مجلس شورائے ملی تہران میں ہے، علامہ عبدالوہاب قزوینی نے شرح کے مقدمے کو ان دونوں نسخوں کی مدد سے شد الازار کے حواشی ص ۵۱۸ پر نقل کیا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر وہ مقدمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"اما بعد فان مولانا الصاحب السعید المجتهد الشہید علامۃ زمانہ و نادرۃ اوانہ الذی کان جنابہ مربع الفضائل و مرتع الافاضل یفزع الی فنائہ المتبحرون من کل صوب و یجد الی بابہ المحققون من کل ادب عمید الحق والدین اسعد بن نصر الفارسی الانصاری سقی اللہ مثواہ و نضر محیاہ و رضی عنہ وارضاہ کان فی زمن الملک المؤید المظفر الکامل مولی ملوک العالمین مظفر الدنیا والدین سعد بن زنگی اظہر اللہ برہانہ و اسکنہ جنانہ و اعلی شانہ وزیراً ید و رحی التدابیر بصائب آرائہ تنتظم مصالح الجماہیر فی سلک غنائہ و مضائہ یقوم بنافذ حکمہ اقطار الممالک و یجلو بانوار عدلہ ظلام الظلم الحالک و یقتضد بتعزز مکانہ اکناف فارس وارجاؤھا و یعتمد علی رفعۃ شانہ ارباب الفضائل و ابناؤھا

د　　　　　نکن بشلک لم تحبل ولم تلد

ہ الملک العادل انار اللّٰہ برہانہ فی قلعۃ
بعاء الثانیہ عشرۃ من ذی القعدہ لسنۃ
ثۃ جری علی الصاحب السعید ما شاع فی
کان مما لست اذکرہ وانتہی امد ولایتہ
اللّٰہ جناح زعامتہ وریاستہ فقبض علیہ
لحجہ سنۃ ثلاث وعشرین وستمائۃ و
تنوان من فارس بعد شہر ابنہ الصاحب
نعمد اللّٰہ بغفرانہ واستشہد وحدہ
فی احدی الجمادیین من سنۃ اربع وعشرین
عنہ الشاہد ہذہ القصیدۃ الغراء فی القلعۃ
لم یل املاہا علی ابنہ تاج الدین محمد وکان
المولای ووالدی وامامی امام المسلمین
عین مفسر التنزیل مقر التاویل استاذ اکابر
ین ابی الخیر مسعود بن محمود بن ابی الفتح
ہ الی فتوحہ وکان والدی برد اللّٰہ

الازار ص ۰ ۳ ۴ ، شمارہ ۸ ۹ ۲ ، ج ۲ ص ۳۰ ۴ ،

ئے دیکھئے شد الازار ص ۸۰ ۱ ، حاشیہ ۳ ۔

مضجعہ ابن خال الصاحب السعید عمید الدین رضی اللّٰہ عنہما فرتب ابیاتہا واغتنم لقلہا واثباتہا فانتشرت وشاعت فی الآفاق وتناقلہا فضلاء خراسان والعراق بل قد اخبرنی من اثق بہ من الائمۃ الواردین من بلاد الشام ان ہذہ القصیدۃ ید رسہا اکابرہم ویحفظہا اصاغرہم ولعمری انہا عند تامل الناقد البصیر جدیرۃ بانواع الاحترام والتوقیر لما فیہا من اللطائف العزیزۃ والفوائد الکثیرۃ والنکت اللطیفۃ والرموز الشریفۃ فاقترح علی جماعۃ من اکابر الرفقاء واجلۃ الاخلۃ ان اشرح لہم ہذہ القصیدۃ شرحاً یکشف القناع عن مضمونہا ویحسر اللثام عن مکنونہا فاستخرجت اللّٰہ تعالیٰ مستعینا فی ذلک بہدایتہ متوکلاً علیٰ حسن عنایتہ وہو حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل قاضی رضی اللّٰہ عنہ :

من یبلغن[1] حماماتٍ ببطحاء　　　ممتعات بسلسالٍ وخضراء

الحمام عند العرب ذوات الاطواق من نحو الفواخت والقماری الخ "

جیساکہ اوپر درج ہوچکا ہے عمیدالدین ابی نصر ابزری نے قصیدہ اشکوانیہ جس میں لکھا تھا، اس کے چند دن بعد وہ قتل کر دیا گیا، البتہ اس کا بیٹا تاج الدین محمد رہا ہوگیا۔ بیٹے کے واسطے وہ قصیدہ ابزری کے ماموں زاد بھائی صفی الدین مسعود سیرانی کے پاس پہنچا، اس نے قصیدہ کے اشعار کی صحیح ترتیب دی، پھر اس کے بیٹے قطب الدین محمد

---

[1] قصیدہ اشکنوان کا مطلع ہے۔

ے کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی، اس شرح کے متعدد نسخے ہنوز موجود
مشہد اور تہران میں پائے جاتے ہیں، غرض ان وجوہ سے قصیدہ
اق کے درمیان مشتہر ہوگیا۔ قصیدے کی شرح کے نسخے تو پائے
بع نہیں ہوئی، البتہ قصیدے کا متن شایع ہوچکا ہے، یہ متن
ن ۱۲۰۲ھ کے آخر میں چھپ چکا ہے۔ نیز یورپ میں ۱۸۹۳ء
یسی مستشرق کلمنٹ ہوارٹ کے اہتمام سے طبع ہوا ہے۔
(۲) قصیدے کے اشعار کی تعداد ۱۰۹ یا ۱۱۱ ہے۔

ابزری نے قلعہ اشکنوان کے حبس میں چند چیزیں لکھی تھیں،
شکنوانیہ ہے جس کی تفصیل اوپر درج ہوچکی ہے، اس وقت
دوات، حبس کی دیوار پر کوئلے سے لکھا گیا ہے، ایک دوسری
ے جس میں عمیدالدین نے شیراز کے فضلاء کو مخاطب کیا تھا۔
ں کی شکایت کی ہے، اس مکتوب سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ
انوں کی کیا حالت تھی یہ طویل مکتوب فارسی نثر میں ہے جس کو
ار کے تحشیہ حواشی ص ۵۲۲ تا ۵۲۶ درج کیا ہے، اس مکتوب کی
اس کا فارسی متن پھر اردو ترجمہ پیش کیا جائے گا۔

یت قدیم بیاض میں شامل ہے جو آقای حسین باستانی کی ملکیت
تی ہے، اس کا خط درست ہے لیکن مخطوطے میں تاریخ کتابت
، خط اور املا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً ساتویں صدی ہجری

(ا)

"نسخہ کہ وزیر عمیدالدین اسعد بن نصر الفارسی نوشتہ است از حبس قلعہ اشکنوان

زندگانی اولیا نعم صدور و اکابر عالم در تواتر نعمت و ترادف دولت دراز باد و حق جل و علا در کل احوال حافظ و معین، معلوم رای اکابر و صدور باشد کہ الغریق یتعلق بکل شی و العاشق یطوف علی کل حی کسی کہ در غرقاب ہالک و گرداب قاتل افتاد مادام تا نیم جانی در مضیق قالب او ہیجان می کند از غایت حب حیات در طلب خلاص و نجات دست و پای می زند و بہر وجہ کہ ممکن گردد دست آویزی می جوید و اگرچہ فلاحی و نجاحی روی ننماید بر قدر استطاعت سباحتی می کند و ہر شجرۂ ثابت و راسخ کہ بر ساحل مشاہدہ می کند بہ مجاہدہ کلی خویشتن را بہ جانب آن می افکند تا باشد کہ باصول متین و فروع وثیق او تعلقی سازد و بعد ما کہ در منصب می بود کہ وہو القاہر فوق عباد؟ تا امروز کہ بدین فجیعہ کی عبرت اوایل را واخوست مبتلا گشت و بدین نکبت کہ تذکرہ و تنبیہ عقلاء عالم است درماند و در قعر چاہ ظلمانی زندہ نگور شد و ہر مردہ را کفنی باشد و یا لیت کہ درین گور ظلمانی کفنی بودی تا سر ما را این چاہ نمناک ازین تن غمناک باز داشتی و شب و روز در قعر چاہ از نور خورشید و ماہ بی بہرہ می باشم نہ روز از شب باز می دانم و نہ شب از روز باز می شناسم گوئی سمع جذر اصم شدست کہ ہرگز آوازی بوی نمی رسد گوئی بصر مقلا کمہ شدست کہ ہیچ لون را ادراک نمی کند و ہیچ نمی دانم تا این جان آہنین این قالب سنگین مرا چرا وداع کند ہیچ معلوم نیست کہ این روزگار بدخواہ این عمر ستیزہ روی را چہ سبب در انقراض زوال نمی کشد

شعر

الا موت یباع فاشتریہ فہذا العیش ما لا خیر فیہ

وح عبد　　تصدق با لمات علی اخیہ[1]

م شافتی　　گرہیچ اجل را ببہا یافتی

ظیفہ بامداد و شبانگاہ یک تای نان خشکست واز عین

وطہارت یک کوزہ آب　　شعر

ر نیضا　　فانا عطاش وانتم ورود[2]

ح ہر نجستی وحکایت ہر شدتی ومحنتی گوید طبع مخدومان را

و چون امروز مخدومان وخداوندان در مسند مراد ومتکا ر

ت کہ ہیئت چنین باد بمداوات رنجور ومعالجت مہجور کتر

ع ذاتی وعواطف جبلی آنست کہ فرمان صاحب شریعت

مرآت کل اوقات خود سازند کہ استماع کلام الملہوف

از حسن بن محمد مہلبی وزیر معزالدولہ دیلمی کہ ابن خلکان

دہ است وبیت ثانی در آنجا اینگونہ است، الارحم المہیمن

اخیہ [2] از جملہ چہار بیتی است از خلف بن احمد

در معجم الادبار، ج ۴، ص ۱۰۸، باو نسبت دادہ و

یجود　　وایا منا باللوی ستعود

مضی　　بنفسی وللہ تلک العہود

الحمی　　ہنیئاً لکم فی الجنان الخلود

نینا　　فنحن عطاش وانتم ورود

صدقة واین قرین بلا رد ہر وہم نشین عناء[1] عصر را بعنایتی دست گیرند، این خادم در بسیط کاینات مستغاث[2] الای رحمت وعاطف ربانی روزگاری گذاشت ودر احداث ایام واضغاث احلام روزی بشب وشبی بروزی می آورد وبحکم مساعدۂ اتفاقات حسنہ بمراقی ہمم بنی آدم ترقی می نمود وبہر خلاصہ امانی کہ امثال خادم را بود بامداد لطف ربانی می رسید وبہ منصب ومرتبہ کہ اہلیت آن داشت یا نداشت بخت موافقت می نمود وللہ فی کل قوم یوم ودر ظل دولت پادشاہ روی زمین مخدوم ملوک وسلاطین عالم اعز اللہ انصارہ وضاعف اقتدارہ جملہ اقبال بدست آورد وبانوار دولت او سنگ امیدم یاقوت احمر گشت وہر تخمی کہ بدست مراد در چمن سعادت پاشیدم شجرۂ مفاخرہ ومعالی ومحطم آب وماثر گشت، اما خادم دولت مست گشت وظن برد کہ اعتدال ہوار بیعی از صرصر خزان ایمن شدہ ماند ویا صبح اعمار را شب آجال در پیش نیست ویا مگر صاف لذات را درد بلیات در عقب نخواہد بود وخبر نداشت کہ ان اللہ یمہل ولا یہمل وبی خبر ازین خبر کہ صاحب شرع علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمود اتقوا دعوۃ

---

[1] از اینجا یعنی از کلمہ "عصر" تا آخر این مکتوب چون سوادی کہ من خودم از روی نسخہ اصل آقای باستانی راد برداشتہ بودم مفقود شدہ بود وبنسخہ اصل ہم دیگر دست رسی نداشتم لہذا این بقیہ را از روی سوادی کہ از ہمین نامہ یکی از دوستان آقای اقبال برداشتہ بود سواد برداشتہ ام نہ از روی اصل نسخہ آقای باستانی راد، وبنا برین از اینجا ببعد ہر جا "کذا فی الاصل" میگویم مقصودم از "اصل" سواد مشار الیہ است نہ اصل نسخہ قدیمی جنگ، این مطلب را نباید از نظر دور داشت [2] کذا فی الاصل (د؟)

نہالاتر دو گمان برد کہ این نکات وعید و کلمات تہدید کہ در مضمون مصحف
منسوخ و متروک گشتہ است ولاتحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون و
بر دل و خاطر نمی گذشت کہ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون
اغذین شکل کہ بہ حیلہ خواجگی و تکلف بشری از عوارض مشتی درویش ساختہ
ن جاعتی او باش خود را در آن جلوہ گری کردہ عبد ستاری کہ مقنعہ
داشت مغرور ماندہ و می پنداشت کہ باران حوادث جہان و طوفان
را دفع تواند کرد یا تیری کہ مظلومان در وقت سحر بر کمان بیچارگی و
و بر ہدف آہ امن یجیب المضطر اذا دعاہ اندازند بواسطۂ پیراہن
ود و البتہ این آیت نمی خواند کہ ان اخذہ الیم شدید و [مراعات]
مخدومان بسبب نگاہ داشت جاہ و صدقہ دولت خداوندجہان واجب
: [

لجاہ واعلم بانہا کنل زکوۃ المال لا بد واجب

رگی و تضییع عمر و اطفال خرد و دین و دنیا کہ خسارت کردہ است
بندادام کہ قدرت دارند فریادرسی واجب شمرند حقوق صحبت و
واجب است و مجروحان را مرہم نہادن از لوازم درماندہ شدم
ید خلاص آرند از خدمت مخدومان و کریمان اقتراح کردہ می شود کہ
جسم خواہند داشت و این بند بلا ازین پای مبتلا[۲] برنخواہند گرفت

لازم نیست کہ فعل "دانند" بصیغہ جمع غائب چگونہ فاعل آن ضمیر "شما" در سطر قبل
است (ع)، [۲] کذا فی الاصل، ن مبتلی۔

و بجرمی کہ نکردہ ام حدی خواہند زد آنچہ ملتمس است از انعام دریغ ندارند و این
قصہ کہ از غصہ روزگار نوشتہ است برخوانند و برای نجات را شفاعتی طلبند[۱]
بمستحفظ قلعہ تقدمی فرمایند تا خادم را ازین قعر چاہ مظلم کہ منزل شب و روز دائم
است بموضعی دیگر نقل کنند بدان قدر موضعی کہ خشتی ہم از زمین میسر گردد و آن قدر
کہ وظیفہ افطار ست یک تای نان دیگر در افزایند و کوزۂ آب کہ راتب طہارت
و شربت است با دو کوزہ فرمایند کہ یک کوزہ خوردن و طہارت ساختن را متعذر ست
و این جماعت عیالکان و طفلکان کہ ستم زدگان اند بشفقت و رافت خویش مخصوص
گردانند و خطاب ربانی کہ فاما الیتیم فلا تقہر کار بندند چون کریمان رعایت حقوق
یتیمان از فرائض روزگار و مواجب ایام سیادت شمرند و بجرم گناہ کاران بی گناہان را
از عاطفت و شفقت محروم نگردانند کہ روزگار مرکبی توسن است در زیر لجام
ہیچ رائض رام نشود و دولت معشوقی بی وفاست روزی چند بیش با عاشقان آرام
نگیرد و از روزگار آدم علیہ السلام الی یومنا ہذا ہر کہ خیری کرد و احسانی نمود نقش آن
از تختۂ ادوار لیل و نہار محو نگشت و ہر کہ سنتی بد نہاد مساوی تبعات آن از خواطر و
اوہام فراموش نشد قولہ تعالیٰ من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیہا ایزد تعالیٰ
روزگار اولیا نعم و دولت را از امثال این حال کہ خادم را افتاد مصون و محروس دارد
بمنہ و سعۃ فضلہ انتہی۔

و در ختام این نکتہ را نیز نگفتہ نگذریم کہ دو شاعر معروف رفیع الدین لبنانی اصفہانی
و کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی را در حق صاحب ترجمہ مدایح غراست کہ در دواوین

---

[۱] کذا فی الاصل بتاء مثناۃ فوقانیہ، و شاید صواب "یا" مثناۃ تحتانیہ باشد (ع)۔

نسوب ہے جو وزیر عمید الدین اسعد بن نصر الفارسی نے قلعہ

دا کرے بڑے بڑے صدور اور اکابر عالم کی زندگی تو اتر نعمت

ز ہو۔

لم ہو کہ پانی میں ڈوبتا ہوا شخص ہر چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا

ریب پھٹکتا رہتا ہے، جو شخص ہلاکت والے غرقاب اور ڈبو دینے

، تھوڑی سی جان باقی ہے، جان کی بنا پر خلاص اور نجات کی

د ہر ممکن طریقے سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اور

وہ اپنی استطاعت بھر تیرنے کی سعی کرنے لگتا ہے اور اگر

نو پوری کوشش سے اس طرف لپکتا ہے تاکہ درخت کا تنہ

ب اور صاحب اقتدار تھا۔ اس وجہ سے اکثر لوگوں پر تفوق

ہ آج تک ایسی مصیبت میں گرفتار رہے جو اوائل اور اواخر

لم کے لئے موجب تنبیہ ہے، وہ مصائب میں گرفتار اور

ہے، وہ ہر مردہ کے لئے کفن ہے، کاش کہ اس اندھیری

س سے وہ اس تر کنوئیں کی ٹھنڈک سے محفوظ ہو سکتا۔

کے اندھیرے میں نہ سورج کی روشنی میسر ہے نہ چاندکی،

ت میں کوئی فرق نہیں، پٹ بہرہ ہو چکا ہے قوت شنوائی

ن میں نہیں پہنچتی، قوت باصرہ بھی ختم ہو چکی ہے، بالکل

اندھا ہے، کوئی رنگ بھی نہیں پہچانتا، سمجھ میں نہیں آتا یہ سخت جان آہنی بدن کی قید سے کیوں نہیں نکل جاتی، یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ زمانہ ستیزہ رو عمر کو زوال کے گڑھے میں کیوں نہیں ڈھکیل دیتا۔

[اگر موت خریدی جاسکتی تو میں بڑی تیزی سے اس کے خریدنے کے لئے اس طرف دوڑ جاتا]

اس دنیا کے ڈھیروں ساز و سامان میں صبح شام مجھے جو کچھ میسر ہے وہ ایک خشک روٹی ہے اور ٹھٹ مارتے جیحوں میں میرا حصہ ایک کوزۂ آب ہے جو پینے اور طہارت دونوں کے کام میں آتا ہے۔

[پانی سے مجھے کچھ فیض دلاؤ، اس لئے کہ میں پیاسا ہوں اور تم پانی کے چشمے کے گھاٹ]

اگر یہ خادم اپنی تمام پریشانیوں اور مصیبتوں کا حال اپنے مخدومین کی خدمت میں بیان کرے تو انہیں ملال ہوگا اور آج یہ مخدومین اقبال اور سعادت کے مسند پر بیٹھے ہیں۔ خدا کرے ان کی یہ حالت باقی ہے اور انہیں مصیبت زدہ اور پریشان حال مجبوروں کی طرف متوجہ ہونے کا کم موقع ملتا ہے، لیکن توقع کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے۔ پریشان لوگوں کی باتیں سننا صدقہ ہے اور اس مصیبت زدہ اور الم رسیدہ پر عنایت کی نظر ڈالیں گے۔ خادم دنیا بھر میں رحمتوں کا خواستگار اور عاطفت ربانی کا طلب گار ہے۔ انہیں کی طلب اور آرزو میں اپنے دن گزار رہا ہے، شب و روز پریشان خیالات میں الجھا رہتا ہے اور اسی طرح مصائب کے دن کسی طرح کاٹ رہا ہے، اور کبھی کبھی ایسے بھی اچھے مواقع آجاتے ہیں کہ مصیبت زدہ آدمی بلند ہمتی کے زینے پر چڑھ جاتا ہے اور ہم جیسے خادموں کی جیسی امیدیں ہو سکتی ہیں وہ خدا کے فضل سے اسے حاصل ہو جاتی

ب و مرتبہ پر جس کی اسے اہلیت ہوتی ہے یا نہیں بھی ہوتی ہے اس کی قسمت
۔ ہر قوم میں ایک دن اللہ کے لئے ہوتا ہے اور بادشاہ روئے زمین،
سلاطین عالم، خدا اس کے مددگاروں کو معزز رکھے اور اس کا اقتدار بڑھائے
ے جملہ کامیابیاں حاصل ہوئیں اور وہ طرح طرح کی دولت سے سرفراز
ب کی دولت کے انوار کی بدولت میری آرزو کا پتھر یاقوت احمر میں تبدیل
ر بھی بیج مقصود کے ہاتھ سے خوش نصیبی کے چمن میں بویا وہ مفاخر اور
ں میں رونما ہوا اور اس کے مراتب و مآثر میں اضافے کا موجب ثابت
ے یہ خادم دولت مست ہوگیا اور اس نے سوچا کہ بہار کا معتدل موسم
سے محفوظ ہوگیا، گویا اس کی زندگی کی صبحوں کے پیچھے اموات کی راتیں
لذتوں کا صاف ستھرا پانی مصیبتوں کے تلچھٹ سے پاک ہے، اسے خبر
ڈھیل دیتا ہے، چھوڑ نہیں دیتا، وہ حضور سرور عالم کی اس حدیث کا
یں کہا گیا ہے کہ مظلوم کی آہوں سے ڈرو کہ وہ رد نہیں ہوتیں، اس نے
عدید کے مضامین جو قرآن مجید میں ہیں وہ منسوخ و متروک ہو چکے ہیں
جائیں ان کاموں سے جو ظالموں سے عمل میں آتے ہیں اور ان کے دل
ت نہیں آتا کہ عنقریب ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ کون ہے جو ان کے
ر دینے والا ہے اور کاغذی لباس جو خواجگی کے حیلے اور انسانی تکلفات کے
ں کی محتاجی سے تیار ہوا ہے اور جس کے ذریعے وہ بچوں کی محفل میں اپنی
ستار باندھ کر اپنا فضل جتاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دنیاوی حوادث کی بارش اور
ب کے طوفان کو دفع کرسکتا ہے یا وہ تیر جو مظلوم لوگ صبح کے وقت

بے چارگی اور تضرع کے کمان چھوڑتے ہیں اور اس آہ کے نشانے پر نشانہ لگاتے ہیں۔ بھلا کون[1] پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ میرا محسن سے اسے روک سکتے ہیں، وہ یہ آیت نہیں پڑھتے کہ اس کی پکڑ بڑی سخت اور تکلیف دہ ہے اور آپ مخدومین سے میری گزارش ہے کہ اپنے مراتب اور خداوند جہان کی حکومت کے صدقے میں اس کلمے کی رعایت واجب جانیں۔

عہدے اور مرتبے کی زکات ادا کرتے رہیں اور جان لیں کہ زکات جاہ اسی طرح واجب ہے جیسی زکات مال۔

(اور (میری) اس بے چارگی، میری عمر اور چھوٹے بچوں کی تباہی اور میرے دین و دنیا کے خسارے سے مساہلت کریں اور جب تک قدرت ہو مظلوم کی فریادرسی واجب جانیں تعلقات اور دوستی کے حقوق واجبات سے ہیں (ان کو ادا کرتے رہیں) مجروحوں کے زخموں کا مرہم پٹی لازم جانیں، میں رنج کی وجہ سے عاجز اور درماندہ ہو چکا ہوں میرا ہاتھ پکڑئے (میری مدد کیجیے)

مخدومین اور اہل کرم حضرات سے میری فی الفور درخواست کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میرا جسم جکڑا جائے گا اور اس مصیبت زدہ کے پاؤں زنجیر میں کسے جائیں گے اور اس جرم کی جو مجھ سے سرزد نہیں ہوا، حد قائم کی جائے گی اس وقت مجھ پر کرم کی نظر سے محروم نہ کریں گے۔ اور یہ واقعہ جو زمانے کے ستم کی یادگار ہے، پیش نظر رکھیں، میری نجات کی سفارش کریں اور حاکم قلعہ کے پاس جا کر درخواست کریں کہ اس خادم کو اس تاریک کنوئیں سے

---

[1] قرآن سورہ ۲۷، آیت ۶۳۔

ع ابوبکر سعد نے جب اپنے باپ سعد بن زنگی پر حملہ کیا تھا اور اس پر زخم لگایا تو ضخامت لباس سے زخم کارگر نہیں ہوا تھا (دیکھئے تحریر تاریخ وصاف ص ۹)، اس سے ظاہر ہوا کہ لباس کی ضخامت زخم کے وار کو روکنے میں اثر انداز ہوتی ہے۔

فید ہے' دوسری جگہ منتقل کردیں اس میں کم ازکم اتنی گنجائش ہو
ں ہو اور میرے کھانے میں (جو فی الوقت ایک سوکھی روٹی پر موقوف
ہ کردیں اور ایک کوزۂ آب جو میرے پینے اور طہارت کے لئے
س میں ایک اور کوزہ بڑھا دیں) اور میرے اہل و عیال جن پر
ہیں' ان کو اپنی شفقت اور رحمت سے مخصوص کریں اور قرآن
ہو اس کو نہ ڈانٹو۔ عمل کریں اور کریموں کی طرح یتیموں کے
وزگار اور مواجب ایام سیادت جانیں اور اس بے گناہ پر
یں اور اس کو اپنی رحمت و شفقت سے محروم نہ کریں اس لئے
جو کسی سائیس کے سخت لگام سے بھی نرم نہیں ہوتا اور دولت
چند روز سے زیادہ عاشقوں کے ساتھ نہیں ٹھہرتی اور حضرت
تک جس نے بھی کوئی بھلائی کی یا کسی کے ساتھ احسان کیا اس کا
ے محو نہیں ہوتا اور جس کسی نے بھی رسم بد کی بنا رکھی وہ لوگوں کے
جید میں ہے : جس نے نیک کام کیا اس نے اپنی خاطر کیا اور
لئے کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اولیائے نعمت کو اس حالت سے
نے فضل و کرم کے صدقے محفوظ و مامون رکھے۔ بمنہ

ہے آتابک ابوبکر بن سعد پر نہ وزیر کے دل ہلا دینے والے
ہوا اور نہ اس مکتوب کا جس کے مخاطب آتابک کے علاوہ

دوسرے ذی اثر و ذی حیثیت لوگ تھے۔ اس سلسلے میں چند باتوں کا ذکر مفید ہوگا۔

۱۔ آتابک ابوبکر بڑا دین دار بادشاہ تھا۔ شد الازار میں ہے :

" سلطانی عادل بود کہ دایماً با وضو و ذکر می بود و ہرگز شراب نخورد و بدرستی کہ خدای تعالیٰ درجہ او بلند گردانید و از انوار سعادت و کرامت چندان او را ارزانی داشت کہ بہ ہیچ یک از بادشاہان کہ در عہد او بودند نداد و مبانی سنت احمدی محکم میکرد و عہدہای ملت محمدی را بجای می آورد و در تربیت علما و بزرگ داشتن عابدان و تعظیم زاہدان و صالحان مبالغہ میکرد" (شد الازار ترجمہ ص ۲۶۶)

تاریخ وصاف (تحریر) سے اس بات کی تائید ہوتی ہے :

" آتابک بہ زہاد و متصوفہ اعتقادی راسخ داشت و ایشان را بر ائمہ و علما و فضلا برتری می داد' از این رو گروہی در لباس زہاد نزد روی رفتند و از انعام او محظوظ شدند و نیز در بارۂ ابلہان و سادہ لوحان می فرمود اینان اولیاء و جلساری خدایند و نفوس ملکی دارند و از حیلہ و نیرنگ خالی اند و در عوض از خداوند ہوش و خرد' اہل نطق و فضیلت خائف بود" (ص ۹۳)

کہتے ہیں کہ ایک روز ایک جاہل مشائخ کے لباس میں اس کی بارگاہ میں آیا، آتابک نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی، جب نماز مغرب کا وقت آیا تو اس کو امامت کے لئے کہا گیا، وہ مخارج حروف سے نابلد تھا، اھدنا الصراط المستقیم کو غلط ادا کیا، اس غلط خوانی سے اس کے بارے میں آتابک کا اعتقاد راسخ تر ہوگیا اور اس کو بہت صلہ و انعام دے کر رخصت کیا۔ (ایضاً ص ۹۴)

آتابک ابوبکر ان فضلاء سے جو حکمت و فلسفہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے' نفرت کرتا،

یک جماعت کو شیراز سے نکال دیا، ایسے نکالے ہوئے لوگوں

لاز کا نام لکھا ہے :

و داشنی (ب) شہاب الدین[2] تودہ پشتی (ج) اعزالدین ابراہیم قیسی

ہ زری کی سزا اور پھانسی کا حکم شاید آتابک کی اسی مذہبی

تیجہ ہو۔

لق اشنہ سے تھا، آذربائیجان میں اردمیہ کے جوار میں ہے، یہ شہر

اردبیل سے پانچ فرسخ کی دوری پر ہے اور اردمیہ سے دو روز کی

کا ماہر تھا، علوم اصول و فروع و الٰہیات، طبیعیات، ہندسہ، ہیئات

و تفسیر و احادیث و ادبیات میں بڑا کمال کا درجہ رکھتا، واعظ بھی

ے موقع پر وعظ کہتا تھا، ایک مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی

ے صدرالدین اشنہی کی بڑی تعریف کی، آتابک ابوبکر نے شیراز سے

ز صحبت تو کنون فراق اولی تر   بر درگہ تو رزق و نفاق اولی تر

چون پردۂ راستی مخالف کردی   ما را پس ازین راہ عراق اولی تر

بھی بڑے فاضل تھے، بیٹے کی طرح وہ مختلف علوم میں کمال کے

کتاب غایۃ الامکان فی درایۃ المکان ہے، یہ کافی مقبول

میں امام الدین داؤد بن محمد بن روزبہان الفرید تھے، تحفۃ العرفان

بہان میں ان کا تذکرہ ہے اور ان کی نسبت کی ایک حکایت صدرالدین

عرفان میں درج ہے، باپ اور بیٹے دونوں شاعر تھے۔ ان دونوں کے

من اصفہانی نے ترجمہ ہوا۔ ف میں نقل کئے ہیں (بقیہ حاشیہ ص ۲۶۷ پر)

۲۔ مذکور ہو چکا ہے کہ آتابک سعد بن زنگی نے اپنے بیٹے آتابک ابوبکر کو قید کر دیا تھا، وہ سات سال تک قید رہا، سعد کی وفات پر ۶۲۳ھ میں وہ قید سے نکالا گیا اور تخت نشین کرایا گیا، قید کی حالت میں ۶۲۲ھ میں اس نے عزالدین زرکوب[1] شیرازی کی خدمت میں ایک خط التماس دعا کے لئے لکھا، وہ خط اور دعا شیراز نامہ ص ۸۲-۸۳ میں درج ہے، آتابک ابوبکر لکھتا ہے :

---

[1] عزالدین مودود بن محمد بن معین الدین محمود المشتہر بہ زرکوب شیرازی (ولادت ۵۶۲ وفات ۶۶۳) کے حالات کے لئے دیکھئے شیراز نامہ ص ۱۲۱-۱۲۳، وشدالازار ص ۳۱۰ بعد عزالدین مودود شیرازی صاحب شیراز نامہ کے دادا تھے (شیراز نامہ ص ۱۲۹)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۶ کا) راقم الحروف یہ سارے اشعار اپنے مجموعہ مقالات طبع تہران ۱۳۷۱ء بعنوان تند پارسی میں جمع کر دئے ہیں (ص ۳۵۶ تا ۳۶۰) ایسا قیاس ہوتا ہے کہ ترجمہ عوارف کے موقع پر یہ دونوں فاضل فوت ہو چکے تھے، یہ ترجمہ ۶۶۵ میں مکمل ہوا تھا، اس لئے تاج الدین اور صدرالدین دونوں کی تاریخ وفات اس سنہ سے پہلے کی ہوگی۔ ان عارفوں کی زندگی کے منابع یہ ہیں:

تاریخ وصاف، شیراز نامہ، شدالازار، تحفہ عرفان، مجمل فصیحی، ترجمہ عوارف از شیخ اسمٰعیل بن عبدالمومن بن ابی منصور اصفہانی، تند پارسی۔

[2] امام شہاب الدین تودہ پشتی کی نسبت میں اختلاف ملتا ہے، شیراز نامہ میں تاریخ وصاف کی روایت ہو بہو درج ہے، سوائے اس کے کہ شہاب الدین کی نسبت تودہ پشتی ہے (ص ۸۳) جب کہ شدالازار ص ۱۹۰ میں تورپشتی ہے، علامہ قزوینی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یزد سے ۲۵ کیلو میٹر جنوب میں ابھی تک ایک قریہ تورون پشت نام کا موجود ہے (شدالازار ص ۱۹۰-۱۹۱ حاشیہ) شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی یا توران پشتی شافعی فقیہ اور محدث تھا، صاحب مجمل فصیحی کے بقول وہ ساکن شیراز تھا۔ تتبع

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۸ پر)

ں عزالدین مودود زرکوب شیرازی کی خدمت میں ہزاروں درود از
دیش کرکے ان کی توجہ چاہتا ہے اور آرزو مند ہے کہ کوئی دعائے
کے عمل میں ہو، اس کو میرے پاس کسی درویش کے ذریعے بھیج
ا نجیب الدین محمد یزدی سے میرے لئے دعا کی درخواست کریں"۔
را بی خط لکھا اور دعا بھی لکھ بھیجی، ملاحظہ ہو:

ا المعز بعزیزہ باسعادہ: مزید استظہاری کہ آن شاہ شاہزادۂ
ت درویشان گوشہ نشین است ہمچون ایام دولت ہموارہ در تضاعف
یبوب قلوب الصدیقین شیخ نجیب الدین محمد یزدی دام توفیقہ
ی تریاک اکبر است نقل فرمودہ از مقتدائے سلک عہد او حاالدین
واب دیدم و این دعا تعلیم من فرمود آن دعا می رسد و بدان
ین مقدار از حضرتش را کفایت باشد"۔

نسخۂ دعا

ابۃ صدمۃ قہرمان الجبروت باللطیفۃ التامۃ

مان (۶۵۵-۶۸۱) کی استدعا پر کرمان گیا اور وہیں سکونت اختیار کی
پائی، لیکن کسی کتاب میں سوائے تاریخ وصاف اور شیراز نامے کے شیراز
ذکر نہیں، علامہ قزوینی کی تحقیق کے مطابق (توروں پشت، توران پشت
س کے کنارے سنگ مرمر کا ٹیلہ ہے اور وہاں کے رہنے والے اکثر سنگ تراش ہیں،
ر الدشیخ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی اصل الدین عبداللہ بن علی بن ابی المحاسن
سے تھے۔

النازلۃ الواردۃ من فیضان الملکوت حتی نتشبث باذیال لطفک ونعتصم بک من انزال قہرک یا ذالقوۃ الکاملۃ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون، ودرشبانروزی ہزار بار این کلمہ بگوید: "یا لطیف ادرکنا بلطفک الخفی" کہ بیشک مقصود بحصول پیوندد، ان شاء اللہ تعالیٰ وحدہ العزیز وھذہ اضراعۃ الفقیر الی اللہ تعالیٰ

ابو محمد بن مودود زرکوب الشیرازی

اس دعا کی تاثیر دیکھئے کہ ۶۲۲ میں یہ دعا آتابک ابوبکر بن سعد کے پاس قید خانے میں بھیجی گئی اور ایک سال کے اندر ہی ۶۲۳ میں وہ قید سے نکل کر وارث سلطنت ہوا۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ عمیدالدین اسعد ابزری بڑی شخصیت کا مالک تھا، آتابک سعد بن زنگی کے زمانے میں سارے امور اسی کے فیصلے سے سرانجام پاتے تھے، اس کے ساتھ بڑا افاضل تھا، عربی و فارسی کا صاحب دیوان شاعر تھا، نثر اور نظم دونوں میں ماہرانہ قدرت رکھتا تھا اس نے جو قصیدہ حبس میں انتہائی پریشانی کی حالت میں لکھا تھا، وہ اس کے قتل کے بعد ہی سارے آفاق میں مشتہر ہو چکا تھا، اس کے باوجود سعدی شیرازی کے یہاں اس نابغۂ روزگار کا نام تک نہیں ملتا، شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ سعدی شیرازی آتابک ابوبکر سے منسلک تھے، جیسا کہ ان کے کلام سے واضح ہے اور آتابک ابوبکر عمیدالدین اسعد کا سخت دشمن تھا، یہاں تک کہ اپنی حکومت کی ابتدا ہی میں اس کو محبوس کر دیا اور چند ماہ کے اندر اس کو پھانسی پر لٹکا دیا، شاید یہی وجہ ہو کہ سعدی کا کلام عمیدالدین کے ذکر سے خالی ہے۔

البتہ بعض شاعروں نے اس کی مدح کی ہے، ان شاعروں کے مدحیہ کلام سے ظاہر

...پنے زمانہ اقتدار میں شاعروں اور فاضلوں کا قدردان تھا، علامہ ...وں کو عمید کا مداح بتایا ہے، ایک رفیع الدین لبنانی، دوسرا کمال الدین ...نے رفیع لبنانی کے معاصرین میں تین[۳] شعرا کا نام لکھا ہے یعنی جمال الدین ...ویہ اور کمال الدین اصفہانی، جمال الدین کے دیوان میں عمیدالدین ...یاتا، شرف شفروہ کا دیوان میرے دسترس میں نہیں، البتہ کمال الدین ...مدحیہ کلام موجود ہے، لیکن اگر عمید کے دوسرے اور معاصر شاعروں ...سے مطالعہ کیا جائے تو عمید کا ذکر کسی نہ کسی شاعر کے یہاں مل جائے گا۔

...انی کے دیوان میں کم از کم تین[۳] نظمیں عمید کی مدح میں ہیں،[۲] دو قصیدے ...قصیدہ یوں شروع ہوتا ہے:

...ت داری — کہ دست باز کشی یکدم از ستمکاری (دیوان طبع حسین بحر العلوی ص ۳۴۹)

...طلع یہ ہے:

...ن آورد — کہ در چمن بسر لالہ مہرگان آورد (ایضاً ص ۳۴۳)

...ہے:

...ہر عبارتی — آصف نکرد چون تو بر رونق وزارتی (ایضاً ص ۴۴۷)

...جب اصفہان آیا تھا تو کمال نے قصیدہ لکھا، چند بیت ملاحظہ کریں:

...ر بادہیبت او — زبود از سر گردون کلاہ جباری

...ملت و دین — کہ نیست کنہ معانی او زبسیاری

...یمن مقدم تو — نشستہ اند بہ کسالی و بہ عطاری

...بہ ما یہ — ہمہ متاع گران را کند خریداری

اگرچہ پیروی من باضطرار کند — گرایں قصیدہ بخواند روان مختاری

سخن بہ پایہ قدر تو کی رسد کہ تو خود — زروی مرتبت افزوں ز حد مقداری

دوسرے قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

فراق روی تو ما را بروی آن آورد — کہ در چمن بسر لالہ مہرگان آورد

ز وصل یار مرا صد ہزار را خوشتر — حدیث آنکہ زناگاہ مژدگان آورد

کہ پادشاہ وزیران لطایع مسعود — خجستہ روی بدین دولت آشیان آورد

عمید دولت و ملت کہ دست مسند حکم — چو پای ہمت بر فرق فرقدان آورد

گمان مبر کہ زمانہ ز مستقر جلال — ترا بخیرہ بدین تیرہ خاکدان آورد

ولیک جاذبۂ ہمت مسلمانان — عنان گرفتہ ترا سوی اصفہان آورد

قطعہ کے ضمن کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

در اصفہان بدولت عدل تو می کنند — در ہر محلتی کہن از تو عمارتی

اینست دبس مراد دل و جان ہمگنان — کارد کسی موکب میمون بشارتی

عمیدالدین ابونصر فارسی ابزری کے بارے میں جو باتیں اوپر درج ہوئی ہیں، ان سے اس کی فضیلت کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنے دور کی اہم شخصیت تھی، وہ اچھا خاصہ شاعر تھا، اس کے دیوان ناپید ہیں، لیکن قصیدہ اشکنوانیہ موجود ہے، اس کی مفصل شرح بھی دستیاب ہے، ان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ تحقیق کا دلچسپ موضوع ہے۔ لیکن جیسے سینکڑوں ہزاروں موضوعات فضلاء کی کوتاہ قلمی کی وجہ سے پردۂ خفا میں جا پڑے ہیں، یہ موضوع بھی اچھوتا ہی رہ گیا۔ اگر کوئی فاضل اس موضوع کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے تو یہ اچھا اقدام ہوگا۔

…علی ندوی کے مطالعہ و خدمتِ قرآن کی سرگزشت

از
ضیاء الدین اصلاحی

…م یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے مولانا پر ۲۳، ۲۴ فروری ۲۰۰۰ء کو
…پڑھا گیا، اسی وقت پروفیسر مختار الدین احمد، مولانا حبیب ریحان
…اصحاب علم نے اصرار کیا تھا کہ اسے جلد از جلد معارف میں شایع

…ندوی کی زندگی کے تین دور تھے۔ پہلا دور ان کی طالب علمی
…ر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم و تدریس کا تھا۔ تیسرا
…نظامی نگرانی، ملک و بیرونِ ملک میں اصلاحی، دعوتی اور تبلیغی
…تالیف کی مشغولیت اور گوناگوں علمی، تعلیمی، دینی، دعوتی، قومی،
…جس کا سلسلہ ہندوستان اور عالمِ اسلام ہی نہیں یورپ، امریکا اور
…مضمون میں ان کے مطالعہ کی سرگزشت اور روداد پیش کی

…مجید کی تعلیم | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی عربی تعلیم کا

آغاز ۱۹۲۴ء کے آخر میں ہوا، اس زمانے میں شیخ خلیل بن محمد بن شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی بھوپالی جو عرب صاحب کے نام سے مشہور تھے، لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی کے استاد تھے، ان کا گھر اور مولانا کا گھر محلہ جھاؤلال میں جواب محمد علی لین کہلاتا ہے، پاس پاس تھا۔ یونیورسٹی جانے سے پہلے اور بعد میں عرب صاحب کے گھر پر ان کا مدرسہ چلتا تھا، ۱۹۲۶ء میں بارہ[12] تیرہ[13] برس کی عمر میں انہوں نے مولانا علی میاں کو ان کے بڑے بھائی اور مربی ڈاکٹر سید عبد العلی سابق ناظم ندوۃ العلماء کے کہنے سے اپنے گھر کے مدرسہ میں عربی پڑھانا شروع کیا۔ مولانا نے ان سے ان کے خاص نصاب کی متعدد کتابیں پڑھیں، اسی سلسلے میں قرآن مجید کا وہ حصہ بھی پڑھا جس کا مرکزی مضمون توحید ہے[1]، مولانا کو اعتراف تھا کہ عرب صاحب نے ہمیشہ کے لئے دل پر توحید کا نقش قائم کر دینے کے لئے سورۂ زمر بڑی توجہ اور ذوق و شوق سے پڑھایا، توحید ان کا ذوقی مضمون تھا، دل کھول کر پڑھایا اور دل کو توحید کے لئے کھول دیا، لکھتے ہیں:

"وہ دن ہے اور آج کا دن، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ۔ (زمر: ۳) — یاد رکھو کہ اطاعت خالص کا سزاوار اللہ ہی ہے۔

کا نقش قائم ہے اور اس کے سامنے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ۔ (زمر: ۳) — ہم اپنے معبودوں کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں۔

کا حیلہ اور دعویٰ جو ہمیشہ سے نظامِ شرک کا سب سے بڑا فلسفہ ہے، تارِ عنکبوت معلوم ہوتا ہے"[2]۔

دو نامور | برصغیر کے ممتاز عالم مولانا عبید اللہ سندھی کی دلچسپی اور توجہ کا خاص مرکز قرآن مجید تھا اور وہ اس کے افکار و

... عاشق و شیدائی اور عارف و شارح تھے، مولانا سید ابوالحسن
... مخصوص حالات کے اثر نے ان کے ذہن کو جہاد و حریت، احیائے
... دی اور انگریز دشمنی کی طرف ایسا موڑ دیا تھا کہ ان کو سارا
... دعوت و تبلیغ معلوم ہوتا تھا ان کی ذہانت و نکتہ آفرینی نے
... م لیا کہ ان کو اپنے ہر دعویٰ کی تائید قرآن مجید ہی میں نظر آتی
... و سیاسی زندگی کے ایسے ایسے اصول و کلیات اخذ کیے
... ملتا ہے نہ کسی جدید تفسیر میں۔ یہ طرز استنباط اور یہ طریقہ تفسیر
... اور متصوفانہ نکات سے بہت ملتا جلتا تھا جن کو وہ
... سے موسوم کرتے تھے اور جن کے نمونے شیخ اکبر کی فتوحاتِ
... الرحمٰن و تیسیر المنان اور علامہ حقی کی تفسیر روح البیان
... الحسن علی ندوی فرماتے ہیں "اگر اس کو تفسیر کا نام دیا جائے
... نام سے یاد کیا جائے نیز وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو تو
... نہیں سمجھا ہے۔"

... خاص طرز تفسیر کے بانی تھے اس میں اس برصغیر میں ان کے
... تعلیم اور مسلک تفسیر کے حامل و امین اور اس میں ان کے
... فاروقی اور دوسرے مولانا احمد علی لاہوری امیر انجمن
... اسلامیہ میں تفسیر و دینیات کے استاد تھے، ان کے

درس سے کم لیکن ان کی تفسیری تصانیف سے مولانا سندھی کے طرز کا تعارف علمی حلقے میں زیادہ ہوا اور موخر الذکر کے درس سے اس کا چرچا ملک کے گوشہ گوشہ میں ہوا، یہ اتفاق ہے کہ مولانا علی میاں نے ان دونوں سے قرآن کا درس لیا۔

خواجہ عبدالحیٔ صاحب دارالعلوم دیوبند میں مولانا کے بزرگ اور شفیق بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے ہم سبق تھے، ان کی دعوت پر خواجہ صاحب ۱۹۲۷ء میں ایک مرتبہ گرمی کی تعطیل میں لکھنؤ آئے اور ڈاکٹر صاحب کے دولت کدہ پر قیام فرمایا تو ان کی فرمائش پر خواجہ صاحب نے مولانا علی میاں کو اخیر پارے کی اخیر کی کچھ سورتیں پڑھائیں، اس وقت مولانا کی عمر ۱۳، ۱۴ برس تھی۔

دوسرے بزرگ مولانا احمد علی صاحب سے وہ ۱۹۲۹ء میں شرف ملاقات حاصل کر چکے تھے، اگلے سال ۱۹۳۰ء میں ان سے خاص استفادے کے لیے گرمیوں کی تعطیل میں لاہور تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ علماء کلاس یعنی عربی مدارس کے طلبہ و فضلاء کا باقاعدہ درس رمضان، شوال اور ذی قعدہ میں ہوا کرتا ہے، اس وقت تو صرف فجر کے بعد عمومی درس میں اہل شہر شریک ہوتے ہیں اور مغرب کے بعد انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کا کلاس ہوتا ہے، تاہم ازراہِ شفقت مولانا علی میاں کو انہوں نے خصوصی وقت دیا اور شروع سے قرآن پڑھانا شروع کیا، لیکن اس درس کا سلسلہ زیادہ دن نہیں رہا، سورۂ بقرہ کا ابتدائی نصف حصہ ہوا ہوگا کہ لکھنؤ واپسی ہوگئی، ۱۹۳۱ء میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا اور ۱۹۳۲ء میں علماء کلاس میں شریک ہوئے اور پورا قرآن مجید پڑھا۔ مولانا علی میاں کا بیان ہے کہ فجر کے بعد ذرا دن چڑھے سبق شروع ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے جاری رہتا، مولانا سندھی نے ہر رکوع کا خلاصہ چند جملوں میں کر رکھا تھا، اس کو اور اس کے ماخذ کو یاد کرنا پڑتا تھا اور

پہلے پچھلے درس کا امتحان ہوتا تھا، مولانا علی میاں کے بیان کے
ر تھا، اس لئے ان کو بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ مولانا علی میاں
ے تین اہم اور مرکزی نکتوں کی نشان دہی کی ہے۔

ضاحت اور شرک کا رد و ابطال۔ مولانا ابوالحسن علی فرماتے
مسلک کی ترجمانی اور تائید تھی اس لئے میرے دل نے اس کا
اس کو پورے طور پر قبول کیا۔

اور دل آویز واقعات بالخصوص اپنے سلسلہ کے مشائخ کا

ں فی اللہ اور انگریزوں سے دشمنی اور شدید نفرت۔
لانا احمد علی کے درس کا اصل مقصد قرآن مجید کے علم و فہم میں
س کے سلسلے میں وہ اپنے محبوب استاذ مولانا عبید اللہ سندھی
سے تفسیر کے بجائے الاعتبار والتاویل کا نام دیتے تھے۔
ل طرز سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں ہوئی اور انہوں نے
وی بھی نہیں کی، تاہم ان کو اس سے فائدہ بہت ہوا اور ان کے
رس کا فیض ہمیشہ شامل رہا اور اس کی برکت انہوں نے اپنی
وس کی، وہ مولانا کی صحبت، زاہدانہ و مجاہدانہ زندگی، اخلاص،
ر اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے بے قرارانہ جذبہ وغیرہ کے
ہے۔

ا حسین احمد مدنی سے رہنمائی کی طلب

مولانا سید

حسین احمد مدنی مولانا علی میاں کے برادر معظم و مربی ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم کے پیر و مرشد تھے، وہ لکھنؤ تشریف لاتے تو ڈاکٹر صاحب کے دولت کدہ پر فروکش ہوتے، ۱۹۳۲ء کی کسی تشریف آوری کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے برادر خورد کو ان کی خدمت میں تربیت و اصلاح اور تحصیل حدیث کے لئے پیش کیا، یہ اس پروگرام کے مطابق جولائی، اگست ۱۹۳۲ء میں دیوبند تشریف لے گئے اور مولانا کے بخاری و ترمذی کے درس میں شریک ہوئے، مولانا علی میاں کو اس زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر کے مطالعہ کا شوق تھا، اس میں جو اشکالات پیش آتے تھے وہ بعض مرتبہ کسی کتاب سے حل نہیں ہوتے تھے، اس بنا پر انہوں نے مولانا سے درخواست کر کے قرآن مجید کی بعض مشکل آیات کے سمجھنے کے لئے خصوصی وقت مانگا، مولانا نے جمعہ بعد کا وقت مرحمت فرمایا، مگر مولانا کے سیاسی دوروں کی وجہ سے اکثر ناغے ہو جاتے، چنانچہ مولانا علی میاں کے حصہ میں بہت کم جمعے آئے، تاہم وہ محروم نہیں رہے، استفادے کا موقع ملا اور ان کو مولانا مدنی کے تدبر فی القرآن کا اندازہ ہوا۔

دوسرا دور دار العلوم ندوۃ العلماء میں معلم و استاد تفسیر و ادب کی حیثیت سے

مولانا علی میاں نے ۲۰ برس کے سن میں باضابطہ و منظم حصول تعلیم کی مدت ختم کر لی تو یکم اگست ۱۹۳۴ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر و ادب کے استاد مقرر کئے گئے، متوسط اور بعض اونچے درجے کی کتابیں اور درجہ ششم کو قرآن مجید کے ابتدائی دس پارے پڑھانے کے لئے ملے، یہ حصہ بکثرت آیاتِ احکام اور فقہی و کلامی مباحث پر مشتمل تھا اور پڑھنے والوں میں متعدد طلبہ ذہین و ذی استعداد تھے اور ان کی اکثریت مولانا سے عمر میں یا تو بڑی یا قریب قریب ہم عمر تھی، مولانا سے پہلے یہ حصہ ایک فاضل و کہنہ مشق استاد مولانا عبد الرحمن کاشغری ندوی پڑھاتے تھے اس لئے مولانا کو محنت و مطالعہ اور اس اہم

ضرورت تھی، اس لئے تفسیر کی قدیم بڑی کتابیں اور اہم بنیادی ماخذ
بعض تفسیریں مثلاً کشاف، معالم التنزیل بغوی و مدارک تقریباً
تفسیروں سے تفسیر المنار اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن
کے خیال میں تدریس اور طلبہ کے سوالات کے جواب میں علامہ آلوسی
زیادہ مدد ملی۔ جدید معلومات اور تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں
سے خط و کتابت شروع کی اور ان سوالات کے حل میں ان سے
نے کے لئے دریاباد بھی گئے، اس طرح سال ختم ہونے سے پہلے
نے پر قادر ہو گئے۔[10]

نے میں مولانا کو متعدد کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا، خاص قرآن
مطالعہ میں آئیں اور جن سے ان کو زیادہ فیض پہنچا وہ یہ ہیں:
محمد بن نصر مروزی کی تصنیف ہے، جس میں شب بیدار نوجوانوں
کے فضائل جمع کئے ہیں، اسی ضمن میں قرآن مجید کی بعض آیات
ہے۔[11]

رۂ نوس و تفسیر سورۂ اخلاص: امام ابن تیمیہؒ کے ان
دستگیری کی اور ان سے ان کو مدد ملی۔[12]

فاء: شاہ ولی اللہ دہلوی کی اس کتاب کی گوناگوں خصوصیات
نے آیات کی تفسیر و تطبیق بتائی ہے، یہ ان کی پسندیدہ

فی اصول التفسیر: شاہ ولی اللہ صاحب کی اس مختصر تصنیف

کے بعض علمی اشاروں اور مختصر نکتوں نے قرآن مجید کے مطالعہ و تفسیر میں ان کی بڑی رہنمائی کی اور اس کے بعض مختصر جملوں اور تھوڑے لفظوں سے پورے پورے مضامین کے راستے اور مطالعہ قرآن میں ان کے ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئیں۔[14]

۶۔ ترجمان القرآن: مولانا آزاد کی اس تفسیر کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس کی دوسری جلد سے تفسیر و فہم قرآن کے بعض نئے گوشے ان کے سامنے آئے اور ان کی فکر میں وسعت پیدا ہوئی۔[15]

زمانۂ تدریس میں ان کو اپنے مندرجۂ ذیل دو بزرگوں سے بھی رہنمائی ملی اور وہ ان کی قرآن فہمی سے بہت متاثر ہوئے۔

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی: مولانا سید سلیمان ندوی کو درس و تدریس سے ہمیشہ بڑی مناسبت اور خاص شغف رہا، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جس کے معتمد تعلیم تھے تشریف لے جاتے تو طلبہ کے کلاس میں جا کر ان کو پڑھاتے بھی تھے۔

دارالمصنفین میں اپنے رفقاء کو کبھی قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے جن میں اس زمانے کے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نوجوان فضلا و اساتذہ مولانا مسعود عالم ندوی مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی اور مولانا محمد اویس نگرامی اکثر تعطیلات کے زمانے میں شریک ہوتے۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت سید صاحب سخت علیل ہو گئے تھے، جب افاقہ ہوا اور ملاقات کی اجازت ہوئی تو دارالعلوم ندوہ کے استادوں کے وفد کے ساتھ مولانا علی میاں بھی عیادت اور مبارکباد کے لئے اعظم گڈھ تشریف لائے، ان کے قیام کے زمانے میں سید صاحب کے علمی مذاکرات شروع ہو گئے اور ان کا قدیم علمی و تدریسی ذوق ابھر آیا، مولانا علی میاں تحریر فرماتے ہیں:

سورۂ جمعہ پر اور اس کی آیات کے باہمی ربط اور نظام پر ایسی فاضلانہ
علمی نکتے بیان کئے کہ ہم لوگ یہ سمجھے کہ سید صاحب کا اصل موضوع
ہی ہے، اس تقریر کو قلم بند نہ کرنے کا اب تک افسوس ہے"[۱۶]
احب کو مورخ یا ادیب سمجھتے ہیں خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ
ل سے ہے، لیکن مولانا علی میاں کو ان کی علمی صحبتوں اور ذاتی
:

ون قرآن مجید اور علم کلام ہے، میں نے معاصر علماء میں کسی شخص
ور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا، علم کلام اور عقائد پر
ت وسیع و عمیق تھی اور ان کو علم کلام کو سلف کے اصول اور
نی میں عصر حاضر کے ذہن اور روح کے مطابق پیش کرنے
غالباً مولانا حمید الدین فراہیؒ کی طویل صحبت، شیخ الاسلام علامہ
مطالعہ اور سیرت النبی کی تالیف کے سلسلے میں طویل غور و فکر

گیلانی : دوسرے بزرگ مولانا مناظر احسن گیلانی بھی مولانا
ب مولانا علی میاں نے تفسیر کا تفصیلی مطالعہ شروع کیا تو ان کے
میں مولانا گیلانی کے پاس حیدر آباد بھیج دیں، مولانا گیلانی کو بھی
ر مولانا علی میاں کسی مانع کی وجہ سے ان کی خدمت میں نہیں پہنچ
ات و تبادلہ خیال سے قرآنی مشکلات میں ان سے برابر رجوع
راجمل خاں کا ایک مضمون مدینہ بجنور میں شائع ہوا جس میں

قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق ایسے مشککانہ خیالات ظاہر کئے گئے تھے جس سے نہ صرف اس کی موجودہ جمع و ترتیب بلکہ اس کی محفوظیت مشتبہ ہوجاتی تھی۔ گو یہ مضمون عامیانہ خیالات اور سطحی باتوں کا مجموعہ تھا اور اس کی کوئی علمی و تحقیقی اہمیت نہیں تھی تاہم یہ ایک بڑے فتنے کا آغاز تھا، اس لئے مولانا گیلانی کے علم و حمیت میں اس سے حرکت و جنبش پیدا ہوئی اور انہوں نے نفس مسئلہ جمع و ترتیب قرآن پر ایک عالمانہ و محققانہ مضمون سہ روزہ مدینہ بجنور ہی میں لکھا، مولانا علی میاں کو زمانہ تدریس میں اس کی ضرورت پیش آئی تو اسے مولانا سے حاصل کرنا چاہا، اسی کا ذکر کرتے ہوئے وہ قرآن مجید میں مولانا کی فہم و معرفت اور نکتہ رسی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں[۱]:

"اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا نکتہ رس اور نکتہ آفریں ذہن عطا فرمایا تھا، قرآن مجید کی وہی آیات اور صحاح کی وہی احادیث اور تاریخ کے وہی بیانات جو ہم آپ بیسیوں بار پڑھ چکے ہیں، مولانا ان سے ایسے حقائق ثابت کر دیتے اور ان سے ایسے عجیب لیکن صحیح نتائج نکالتے کہ حیرت ہوتی، اس مضمون میں بھی یہی شان ہے، قرآن مجید کے من جانب اللہ محفوظ و مرتب ہونے کو اور عہد رسالت میں اس کے مرتب اور جمع ہوجانے کو انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ و نصوص اور واقعات سے اس طرح ثابت کیا تھا کہ اس خیال کی بنیادیں بالکل منہدم ہوجاتی تھیں کہ قرآن مجید بہت تاخیر کے ساتھ جمع و مرتب ہوا اور اس کی ترتیب حضرت ابوبکر اور حضرت زید کے اجتہاد کا نتیجہ ہے"[۱۸]

---

[۱] یہاں اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کی طرح مولانا گیلانی کو بھی ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی سے استفادے کا موقع ملا تھا اور وہ اپنی تحریروں میں مولانا فراہی کو "استاد محترم" لکھتے تھے۔ (ض)

قرآن مجید اور اس کی تفسیروں کے مطالعہ کے اپنے اس مرحلے میں تفہیم
تے ہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید سے اپنا حصہ لینے میں ضروری علمی
چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں، ایک علوم نبوت
ت رکھنے والے اشخاص کی صحبت جن کی معاشرت وزندگی کان
ہو اور جنھوں نے انا القرآن الناطق (حضرت علیؓ کا مقولہ)
ت میں حصہ پایا ہو کئی الفاظ جو لسان العرب اور مفردات
یات جو زمخشری کی ادبی تفسیر کشاف، امام رازی کی عقلی تفسیر
ی نقلی تفسیر سے حل نہیں ہوتیں وہاں باتوں باتوں میں حل ہو جاتی
وسعت اور قوت نظر آتی ہے جو پہلے نظر سے اوجھل تھی۔
انبیا علیہم السلام جن راستوں پر چلے ہیں ان پر چلنے سے قرآن مجید
ن کی گئی ہیں ان کا احساس ہوتا ہے، قوموں نے اپنے پیغمبروں
ی آواز سنتے ہیں اور آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں جو اشکالات
وں نے اور کتابی مطالعہ نے فرضی طریقہ پر پیدا کر دے ہیں۔
تے ہیں۔[19]

ں ایک سماعی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ جب قرآن مجید میں
یفات سے جی گھبرانے لگتا ہے، انسانی کتابیں، انسانی تحریریں
فر معلوم ہونے لگتی ہیں، ادبا، حکما اور مفکرین کی باتیں طفلانہ
ں کوئی گہرائی اور پختگی نہیں معلوم ہوتی، انسان کا علم اتھلا
ہ اور اس کا دیر تک پڑھنا ذوق اور روح پر بار ہوتا ہے۔

ہر وہ چیز جو علوم نبوت کے سرچشمہ سے نہ آئی ہو مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتا ہے، لیکن صرف وحی و نبوت کے راستے سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تک پہنچا دیا اور جو وحی کی زبان میں قرآن مجید میں اور عربی زبان میں حدیث میں محفوظ ہے۔[20]

اسی زمانے میں مولانا پر کلام اقبال کا بڑا غلبہ رہا، ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ یہ ذوق قرآن مجید کے اشتغال اور ذوق پر غالب آرہا ہے مگر توفیق الٰہی نے دستگیری کی اور تنبہ ہوا کہ کسی انسان کے کلام سے اس قدر انہماک اور شیفتگی اچھی نہیں۔[21]

مولانا کو اپنی تدریسی زندگی میں یہ احساس ہوا کہ طلبہ مطالعۂ قرآن اور اس سے استفادے کے مقدمات اور اصول و مبادی سے ناواقف رہنے کی بنا پر صحیح طور سے قرآن کے مطالب و تعلیمات، اس کے پیغام، اس کی روح اور اس کے اعجاز سے بیگانہ رہتے ہیں، اس لئے اوپر کے درجوں کے طلبہ کے لئے انھوں نے مضامین و مقاصد قرآن پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا تاکہ تدبر فی القرآن کے لئے معاون اور اس کی عظمت و اعجاز کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہو۔

۱۹۴۰ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کے حکم سے الندوہ ان کی نگرانی میں پھر جاری ہوا جس کی ادارت کا قرعۂ فال مولانا علی میاں اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم کے نام نکلا تو یہ مضامین اس میں شایع ہوئے اور ۱۹۸۱ء میں ان کا مجموعہ چند اور مضامین کا اضافہ کرکے "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" کے نام سے شایع کیا، جس میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں۔

۱۔ قرآن کا تعارف خود قرآن کی زبان سے ۲۔ اعجاز القرآن ۳۔ قرآن مجید اور قدیم

م ۔ صحف سابقہ کی تحریفات پر تنبیہ اور مذاہب سابقہ کے عقائد
۔ قرآن مجید کی ایک اہم پیشین گوئی ۔ غلبہ روم ۶۔ قرآن کی چند
۷۔ قرآن کا ایک معجزہ ہدایت وانقلاب ہے ۸۔ قرآن مجید اور
یخ کی میزان میں ۹۔ قرآن مجید سے استفادہ کے شرائط و مویدات اور
فادہ کے موانع ۱۱۔ وہ صفات جو قرآن کے فہم و استفادہ کے لئے
تدبر قرآن کے چند واقعات اور نمونے ۱۳۔ ایک تجربہ ایک مشورہ[۲۲]

ولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے مئی ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم
ے بعد ادارۂ تعلیمات اسلام کی بنیاد ڈالی۔ ادارہ میں جمعہ کے
ں قرآن کا انتظام کیا گیا جس کی ذمہ داری مولانا ابوالحسن علی ندوی
ئی برس سے دارالعلوم ندوہ میں قرآن مجید کے درس و تدریس کی
تھے۔ علاوہ ازیں وہ مولانا احمد علی لاہوری امیر انجمن خدام الدین
ر ہو چکے تھے، مولانا علی میاں نے اپنے درس میں اپنے استاد
دعوتی طرز کو اختیار کیا جو وہ تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے دیتے تھے،
ں تعلیم یافتہ طبقہ اور اعلیٰ مسلمان عہدے داروں اور دینی ذوق
ہو اکہ نیچے کا ہال ناکافی ہونے لگا تو چھت پر اس کا انتظام کیا گیا،
جاری رہا اور اس کی مرجعیت بڑھتی رہی، ۱۹۵۱ء میں مولانا علی
دورہ سے واپس ہوئے تو اسی سال مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی تشریف لے گئے، اس وقت کچہری روڈ پر
د میں یہ درس بھی منتقل ہو گیا اور حاضری میں مزید ترقی ہوئی یہاں تک

سپیکر لگانے کا انتظام کیا گیا، یہ سلسلہ برسوں چلتا اور ترقی کرتا رہا مگر مولانا کے طویل بیرونی اسفار اور دارالعلوم میں قیام منتقل ہو جانے کے بعد اس کی ذمہ داری ان کے رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کی طرف منتقل ہو گئی جو مدت مدید تک اس کو انجام دیتے رہے[۲۳]

تیسرا دور تیسرے دور میں مولانا کی زندگی بہت مشغول رہی، اس میں انھوں نے بہ کثرت دعوتی و تبلیغی سفر کئے، صبح کہیں تو شام کہیں اور ہر جگہ ان کے مواعظ و خطبات اور ارشادات و تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا، اس زمانے میں وہ ہندوستان خصوصاً مسلمانان ہند اور عالم اسلام کے پر آشوب حالات کی وجہ سے مسلسل فکرمند اور برابر خلش و اضطراب اور تشویش اور بے چینی میں مبتلا رہتے مگر اس کے باوجود انھوں نے علم و ادب سے اپنا اشتغال قائم رکھا اور تصنیف و تالیف کی سرگرمی میں کمی نہیں آنے دی۔

مولانا کی اکثر تصنیفات اور خطبات کا موضوع دینی و اصلاحی ہوتا جن میں قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں بہ کثرت پیش کی گئی ہیں جو ان کی قرآنی و دینی بصیرت کا ثبوت ہے، لیکن براہ راست قرآن مجید اور اس کی تفسیر پر ان کی کوئی تصنیف نہیں، صرف ایک کتاب الصراع بین الایمان والمادیۃ اس سے مستثنیٰ ہے، اس میں سورہ کہف کے غور و مطالعہ کے نتائج قلم بند کئے گئے ہیں، لیکن جیسا کہ انھوں نے خود تصریح کی ہے کہ یہ عام تفسیروں جیسی کوئی کتاب نہیں ہے[۲۴] تاہم اس سے اور بعض دوسری کتابوں سے ان کے مطالعہ و تفسیر کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

سورہ کہف کے مولانا کے مطالعہ کی روداد یہ ہے کہ

عام مسلمانوں کی طرح وہ بھی بچپن ہی سے حصول ثواب کے لئے ہر جمعہ کو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے تھے، ان کی والدہ کی سخت تاکید تھی اس لئے کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا جب

یسر آئی تو ان سے بھی اس سورہ کی تلاوت اور اسے حفظ کرنے
سے دجال کے فتنے سے آدمی محفوظ رہے گا جس کو رسول اللہ
کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے اس سے ان کے ذہن میں
رہ میں وہ کیا معانی و حقایق اور تنبیہات و زواجر پوشیدہ
ظت کا باعث بنیں گے، سورہ کو بار بار پڑھنے اور متواتر
ان پر روشن ہوئی کہ پورے قرآن کی یہ واحد سورہ ہے،
تنے کا سب سے زیادہ تذکرہ ہے جس کی سربراہی دجال
فوظ رہنے کا تریاق بھی اسی میں سب سے زیادہ ہے، جو
ت تلاوت کرکے اس کے معانی کا لذت شناس ہوگا وہ
ہے گا، ان کے سامنے یہ پہلو بھی روشن ہوا کہ اس سورہ کے
ت و تمثیلات سے ہر زمانے اور ہر مقام پر دجال کے وجود
برگ و بار پائے جانے کا ثبوت ملتا ہے، مگر اس سورہ میں
امان بھی مہیا کر دیا گیا ہے، اس میں وہ روح موجود ہے جو
تھ دجالیت کی نمایندگی کرنے والوں اور ان کے طرز فکر اور
صادم ہے[۲۵]

طالب میں گھسنے سے ان کو یہ سورہ بالکل نئی اور تازہ معلوم
ر اس کا ایک ہی موضوع ہے ایمان و مادیت یا اس عالم کی قوت
و اسباب، سورہ کے تمام اشارات، قصے، مواعظ و امثال اسی
ے ہیں۔ غور و مطالعہ کے درمیان قرآن اور نبوت محمدی کا یہ

اعجاز بھی ان کے سامنے آیا کہ تیرہ[۱۳] سو برس سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں نازل ہونے والی اس کتاب میں سترہویں[۱۷] صدی عیسوی میں رونما ہوکر موجودہ بیسویں صدی تک کا احاطہ کرنے والی دجالی تہذیب و تمدن اور اس کے قائد کی مکمل اور جیتی جاگتی تصویر موجود ہے جس کو زبان نبوت کے اعجاز و ایجاز نے دجال کا نام دیا ہے[۲۶]

ان حقایق کو وہ اختصار کے ساتھ اس وقت ضبط تحریر میں لائے جب وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر کے استاذ تھے جو اس زمانے میں حیدرآباد سے مولانا مودودی کی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ترجمان القرآن میں شایع ہوئے۔ اسی اثناء میں اس موضوع پر انہوں نے مولانا مناظر احسن گیلانی کا الفرقان میں چھپنے والا مقالہ پڑھا تو اس سورہ سے ان کی دلچسپی اور بڑھ گئی اور آخری دور سے اس سورہ کا تعلق خصوصاً دجالی فتنہ اور اس میں پوشیدہ اسباق و عبر اور معجزات وغیرہ کا مزید انکشاف ہوا[۲۷]

غرض مولانا کے نزدیک دجال کی شخصیت کے خط و خال اور اس کی خصوصیات و اعمال کا موجودہ مادی تہذیب مکمل نمونہ ہے اور اس دجالی مہم میں مسیحیت اور یہودیت پوری طرح شریک ہیں جن سے اس سورہ کا گہرا تعلق ہے، اس کی ابتدا ہی مسیحیت کے عقیدے پر ضرب لگانے سے ہوئی ہے[۲۸]

اس سورہ میں یہ چار قصے بیان کئے گئے ہیں (۱) کہف و رقیم والوں کا قصہ (۲) دو باغوں والے کا قصہ (۳) موسیٰ اور خضر کا واقعہ (۴) ذوالقرنین کی داستان۔

گو اس کے اسلوب و سیاق میں تنوع ہے لیکن سب قصوں کی غرض و غایت اور روح ایک ہی ہے اور ان میں بڑا گہرا معنوی ربط ہے[۲۹] ان میں دراصل کائنات کے بارے میں

...ئے گئے ہیں، عموماً اس کائنات میں طبعی اسباب و قوانین کی
...انہی تصرفات کے ماتحت ہے، اشیاء سے ان کے یہ اسباب
...، انسانوں کے ایک گروہ کی نظر انہی ظواہر اور طبعی اسباب
...توجہ صرف اس دنیا اور محسوس و مادی عالم پر مرکوز رہتی ہے
...تائج ہمیشہ ان کے تابع ہوتے ہیں، عالم موجودات کی کوئی
...ے درمیان حائل ہو سکتی ہے اور نہ اپنے مطلق ارادے سے
...ہے، اس گروہ کے نزدیک سبب کے بغیر مسبب نہیں
...ب سے اس درجہ چمٹا ہوتا ہے کہ انہیں کو اپنا معبود بنا لیتا
... و خواص سے اوراء چیزوں کا انکار کر دیتا ہے، اس کے
...ر بعث و نشور کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی، وہ اپنی ساری
...ا اسباب و خواص اور مادیت کی تسخیر میں لگا دیتا ہے، اپنی
...ت و ربوبیت کا اعلان کرنے لگتا ہے، اپنی ہی جنس کے
...اپنے اغراض و خواہشات میں پڑ کر ان کے خون، مال اور
...ہے یا پھر اپنی امت، اپنے وطن، اپنے خاندان اور اپنے گروہ کو

...وسرا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کے طبعی اسباب و قوی اور
...واص کے ماوراء ایک غیبی قوت ہے جس کے ہاتھ میں خواص
...ے جس طرح اسباب مسببات کا سبب ہوتے ہیں اسی طرح
...سبب ہوتا ہے، وہ ان کو پیدا کرتا اور اپنی مرضی کے مطابق

چلاتا ہے جب چاہتا ہے مسببات سے ان کو الگ کر دیتا ہے، بس ارادہ الٰہی ہی اصل میں سبب الاسباب، علۃ العلل اور سلسلہ اسباب و علل کا منتہی ہے، اس کائنات کے اور ان اسباب کے خالق کے ہاتھ سے اس کی باگ ڈور کبھی اور کسی وقت نہیں چھوٹتی، نہ اسباب اس کی غلامی سے آزاد ہو سکتے ہیں اور نہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکتے ہیں، آسمان و زمین میں اس کو عاجز اور بے بس کر دینے والی کوئی چیز نہیں، وہی اپنی حکمت بالغہ اور ارادہ قاہرہ سے اشیاء کو خواص سے، مسببات کو اسباب سے اور مقدمات کو نتائج سے مربوط کرتا ہے، وہ محو و اثبات اور اشیاء کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔[۳۱]

مولانا فرماتے ہیں اس عالم اور افراد و اقوام کے انجام میں کچھ دوسرے اسباب و مؤثرات بھی کار فرما ہوتے ہیں جو طبعی اسباب ہی کی طرح بلکہ ان سے زیادہ قوی ہوتے ہیں جن کے عواقب و نتائج بھی طبعی و مادی چیزوں سے ظاہر ہونے والے اثرات و نتائج سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور یہ ایمان، عمل صالح، عمدہ اخلاق، اللہ کی اطاعت، عدل، عبادت، رحمت و محبت وغیرہ معنوی چیزیں ہیں جن کے بالکل برعکس معنوی اسباب کفر، بغی، فساد فی الارض، ظلم، شہوات اور گناہ وغیرہ ہیں۔ جو شخص طبعی اسباب کو معطل کئے بغیر ان صالح معنوی اسباب کا سہارا لے گا اس کے لئے یہ عالم کون ہموار اور سازگار ہو جائے گا، اس کی زندگی خوشگوار ہوگی اور اسے سہولت اور آسانی میسر کر دی جائے گی، طبعی اسباب غیر مؤثر اور اس کے سامنے سرنگندہ ہو جائیں گے اور جو ان سے مختلف معنوی اشیاء و اخلاق کو اختیار کرے گا اور محض طبعی اسباب پر اعتماد کرے گا اور ان ہی کو اپنی زندگی کی اساس بنائے گا، یہ عالم کون اس سے متحارب و متصادم ہو جائے گا۔[۳۲]

مولانا ابوالحسن علی کے نزدیک سورۂ کہف ایمان و مادیت کی کشمکش اور دونوں نظریوں

کا قصہ ہے، مادیت اور اس کے توابع و لوازم کی ایمان بالغیب اور ایمان
ئی کی داستان ہے، عقیدہ، عمل اور اخلاق کے ان دونوں نظریات
ج کی شرح ہے، اس میں اول الذکر نظریہ کو اختیار کرنے اور اس مادیت
ے سے بچنے کی دعوت دی گئی ہے جو اللہ اور غیب کے انکار پر مبنی ہے[۳۳]۔
نے سورہ کے چاروں واقعات کی تشریح و توضیح کی ہے اور گو یہ عام
مختلف ہے تاہم اس کے متن و حاشیے میں تفسیری نوعیت کے بھی
:

صحاب کہف و رقیم کے واقعہ کی جو تفصیل قلم بند کی ہے اس کے
و مفسرین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں[۳۴]۔
نے کی قرآنی حکمت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل تفسیر نے اس میں
اعتماد کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی
ے قریش سے تین سوالات کرائے تھے جن میں ایک سوال اصحاب
، مولانا کے نزدیک اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی اس واقعہ کو
ی ہو سکتی[۳۵]۔ اس پر مزید تبصرہ کرنے کے بعد آخر میں حکیم الامت
ل کر کے اس پر اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے :
کام کی ہر ہر آیت کو مفسرین کسی واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں
حہ اس کے نزول کا سبب ہے۔ حالانکہ نزول قرآن کا اصل اور
نسانی کی تہذیب و اصلاح اور باطل اعتقادات اور فاسد
ے، اس بنا پر لوگوں میں باطل عقیدوں کی موجودگی خود بحث د

جدال کی آیتوں کے نزول کا مستقل سبب ہے اور اعمال فاسدہ اور ظلم و جور کا عام ہونا آیات احکام نازل کئے جانے کی ایک اہم وجہ ہے، اسی طرح قرآن میں مذکور اللہ کے آلاء و ایام اور موت و مابعد الموت کے واقعات سے لوگوں کا متنبہ نہ ہونا آیات تذکیر کے نازل ہونے کی حقیقی علت ہے، رہے جزئی قصے اور متعین حکایتیں جن کو نقل کرنے میں مفسرین دراز نفسی سے کام لیتے ہیں، ان کا آیات کے نزول میں نہ خاص دخل ہوتا ہے اور نہ ان کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے، سوائے چند آیتوں کے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ سے پیشتر زمانے کے کسی حادثہ و واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کیونکہ جب تک سننے والے کو اس واقعہ کی تفصیل نہ معلوم ہو تو محض اشارہ و تلمیح سے کام نہیں چلتا ہے[۳۶]۔

۳۔ ذوالقرنین کی شخصیت کی تعیین میں بھی مفسرین کے اختلافات بیان کئے ہیں، وہ عام علمائے اسلام کے اس خیال کی شد و مد سے تردید کرتے ہیں کہ اس سے سکندر مقدونی مراد ہے کیونکہ قرآن مجید میں ذوالقرنین کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں ایمان و خشیت الٰہی، مفتوحین کے ساتھ عدل و رافت کا برتاؤ، سد عظیم کی تعمیر جو سکندر میں مفقود تھے[۳۷]۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سے سائرس کو مراد لیا ہے جس کو یہود خورس اور عرب مورخین کیخسرو کہتے ہیں، مولانا علی میاں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے البتہ وہ استاذ سید قطب کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ نص قرآنی میں ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانہ و مقام کی کوئی صراحت نہیں ہے، اس کا اور دوسرے قرآنی قصوں کا مقصد تاریخ قلم بند کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے عبر و بصائر کا ذکر مقصود ہے، جس کے لئے زمان و مکان کی تحدید و تعیین ضروری نہیں ہے[۳۸]۔ ابوریحان بیرونی نے ذوالقرنین کے نام سے استدلال کرتے ہوئے ان کا تعلق حمیر سے

ـا ہوں کے لقب میں "ذی" کا استعمال ہوتا تھا جیسے ذی نواس،
ـیال میں ذوالقرنین کا اصل نام ابوبکر بن افریقش تھا۔ قرنی الشمس
ـقب ذوالقرنین پڑا[39]

ـتے ہیں کہ یہ خیال درست ہوسکتا ہے مگر اس کی تحقیق کے وسائل
ـے یہاں جس ذوالقرنین کی سیرت و شخصیت کا ایک گوشہ بیان
ـیں اس پر بحث ممکن نہیں، اس قصہ کا حال دوسرے قرآنی قصوں
ـسالح جیسا ہے، تاریخ انکے بعد وجود میں آئی۔ اسکی تدوین سے پہلے بہت
ـچکے ہیں جن کے بارے میں اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا[40]
ـا اضافے سے محفوظ ہوتی تو وہ ان واقعات کا ایک قابلِ اعتماد
ـواقعات اور روایتوں سے بھری ہوئی ہے ان کے افسانہ اور وحیِ الٰہی
ـتبہ ہی نہیں۔ اس بنا پر تاریخی قصوں کے سلسلے میں قطعی اور یقینی
ـت قرآن ہی باقی رہ جاتا ہے جو تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے اس لیے
ـا اور تنہا ماخذ یہی ہے، لیکن قرآن مجید اور تاریخ کا محاکمہ دو وجہوں

ـد چیز ہے جس میں انسانی تاریخ کے بے شمار واقعات کا کوئی اتا پتا
ـت کو بیان کرتا ہے جن کا علم تاریخ کے پاس نہیں۔
ـبعض واقعات کو محفوظ کیا ہے لیکن بہر حال وہ انسان کا ایک ناقص
ـبات ممکن ہے جو انسان کے عمل میں ہوتی ہے یعنی تصور، کوتاہی،
ـو اس زمانے میں آئے دن دیکھتے ہیں کہ ایک ہی واقعہ اور ایک ہی

بات کو مختلف طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے مختلف زاویوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی متضاد توجیہات اور تفسیریں کی جاتی ہیں جب کہ اس وقت بحث و تحقیق کے اسباب و وسائل کی بڑی آسانیاں ہوگئی ہیں[41]

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی واقعات و قصص کے بارے میں محض تاریخ کی روشنی میں کوئی بات کرنا نہ صرف یہ کہ اس مسلمہ عقیدہ کے خلاف ہے کہ قرآن ہی قول فیصل ہے بلکہ خود انسان کے پسندیدہ علمی اصول و قواعد کی رو سے بھی ناروا ہے، اس لئے ایسی بے بنیاد بات نہ قرآن کو ماننے والا کہہ سکتا ہے نہ علمی بحث و تحقیق کے وسائل کو ماننے والا۔

کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا تو وحی الٰہی نے ان کی سیرت کے بارے میں جو کچھ بتایا اس کے علاوہ ہمارے پاس انکی سیرت کا کوئی اور مصدر و ماخذ نہیں کہ ہم اس پر کوئی اضافہ اور توسیع کرسکیں، تفسیروں میں بے شمار اقوال درج ہیں جن پر قطعیت کے ساتھ اعتماد نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان سے احتراز ہی مناسب ہوگا کیونکہ یہ اساطیر اور اسرائیلیات ہیں۔

ذوالقرنین کی شخصیت متعین ہوجائے یا نامتعین ہی رہے، قرآن مجید کے طالب علم کے لئے دونوں صورتیں ضرر رساں نہیں ہیں[42]

مولانا کی دوسری تصانیف میں بھی کہیں کہیں آیتوں کی تفسیر اور ان سے متعلق دلچسپ نکات ملتے ہیں مثلاً ارکان اربعہ میں ایک جگہ سورہ فاتحہ کے جمال و جامعیت پر گفتگو کرتے ہوئے پوری سورہ کی تفسیر موثر اور دل نشین انداز میں کی ہے، خاص اس سورہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہ سورہ آسمانی معجزات کا ایک لعل بے بہا اور قرآن مجید کی آیات بینات کا ایک

سار ی دنیا کے ذہین اور ساری قوموں کے ادیب و انشاپرداز، ماہرین
اور روحانی پیشوا ایک جا ہو کر کوئی ایسا مضمون تیار کرنا چاہیں جو
لئے ان کی ضرورتوں اور خواہشات کے اختلاف کے باوجود کافی
اپنی عبادتوں میں اپنے مافی الضمیر کو مکمل طور پر ادا کرسکیں تو
ضمون تیار نہیں کرسکتے جو ہر انسانی گروہ اور فرد کی تسکین

اسماء وصفات الٰہی کے تعلق سے لکھتے ہیں:

ت کو قرآن کے اس قدر تفصیل کے ساتھ اور دل آویز طریقہ پر
لعاً یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بندہ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ
ر آمر مطلق سمجھ لے اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

فات کا تقاضا و مطالبہ یہ ہے کہ اس سے دل و جان سے محبت
یں جان کھپا دی جائے، اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے جائیں اٹھتے
ٹھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل و دماغ میں سمائی رہے، اسی کے
راں اور ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت
ں آرا پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے
کا جذبہ بیدار رہے۔ صحابہ کرام اور عارفین امت کے تعلق سے
ں حاکم اعلیٰ اور آمر مطلق نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ان کے نزدیک ایک
یقی اور جمال و جلال و کمال کا مبدا و منتہا ہے"[۴۳]

لانا کی تقریروں میں اکثر سورہ علق کی ابتدائی ۵ آیتوں سے بحث

ہوتی تھی جو ایک طرح سے ان کی تفسیر ہوتی تھی، ہم یہاں ان کی یہ تشریح و تفسیر پیش کرتے ہیں۔

اقرأ: ایک نبی امی اللہ سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا، ایک امی امت اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے "پڑھو" یہ اشارہ ہے کہ آپ کی امت صرف طالب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم عالم اور علم آموز ہوگی وہ اس دنیا میں علم کی اشاعت کرنے والی ہوگی اور جو دور آپ کے حصہ میں آیا ہے وہ امیت، وحشت، جہالت اور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، علم، حکمت، عقل، تمیز، انسان دوستی اور ترقی کا دور ہوگا۔

باسم ربک الذی خلق: علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ جانا یہ بڑی غلطی تھی، وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا، اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو یہاں جوڑا گیا اور علم کو عزت بخشنے کے ساتھ یہ آگاہی دی گئی کہ اس کی ابتدا اسم رب سے ہونی چاہئے، اس لئے کہ علم اسی کا دیا ہوا اور پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کرسکتا ہے، یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدائے علیم و حکیم کی رہنمائی میں شروع کیا جائے۔

اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم: تمہارا رب بڑا کریم ہے وہ تمہاری ضرورتوں اور کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہوسکتا ہے۔ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ غار حرا کی پہلی وحی میں اس کو فراموش نہیں کیا گیا جو اس وقت مکہ میں کسی کے گھر ڈھونڈے سے نہ ملتا۔

علم الانسان مالم یعلم: ایک بڑی انقلاب انگیز اور لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے علم نہ تھا، سائنس کیا ہے، مکنالوجی کیا ہے، انسان چاند پر جارہا ہے، خلا کو ہم نے طے کرلیا ہے، دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں۔

الم یعلمو کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے ؟[۵۵]

لانا نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے سورہ انبیار کی آیت انا انزلنا
الخ کی یہ تفسیر بیان کی جو اگرچہ نظائر قرآن، سیاق کلام اور عربیت سے
ہوتی تاہم اس کو موضوع کی مناسبت کی وجہ سے نقل کیا جاتا ہے

انی، آسمانی مطالب، آسمانی مضامین، روحانی مضامین، معراج
مضامین کے ساتھ ہمارے لئے ایک آئینہ بھی ہے کہ ہم کو اس آئینہ
ں چاہیے کہ ہم کیسے نظر آتے ہیں۔"

نے ایک ایسی کتاب اتاری جس میں تمہارا تذکرہ ہے تو ہم کو اپنا تذکرہ
میں کس وصف میں ہیں، کس گروہ میں ہیں، کس مرتبہ میں ہیں،
کا، ہم نے اس کی کتنی قدر کی ہے، ہمیں اپنی صورت، اپنا چہرہ اس میں
، اپنی زندگی اور اپنے طرز عمل کو اس کتاب کے نقطۂ نظر، اس کتاب
نا چاہیے۔

لے میں ایک بڑے تابعی احنف بن قیس (م ۷۲ھ) کے بارے میں
یت پڑھی گئی تو انہوں نے مصحف میں دیکھنا شروع کیا کہ میرا
ن سی جگہ مجھ کو دی گئی اور کس گروہ میں جگہ دی گئی مومنین کے
تے گئے اور کہتے گئے کہ یہ صفتیں مجھ میں نہیں ہیں، مگر جب سورۂ توبہ

ا بذنوبہم | اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جنھوں نے

خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا | اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے انہوں نے
(توبہ : ۱۰۲) | کچھ نیکیاں اور کچھ بدیاں ساتھ ہی دونوں کمائی[۴۶]

تو انہوں نے فرمایا ہاں یہاں میرا تذکرہ ہے اور یہ میرا گروہ ہے مولانا نے اپنے کو بھی اسی زمرہ میں جگہ دی ہے[۵۶]۔ غالباً یہ تقریر پہلے ان کی ادارت میں نکلنے والے الندوہ میں مضمون کی صورت میں بھی چھپی تھی۔

حواشی

[۱] مولانا ابوالحسن علی ندوی: پرانے چراغ حصہ اول ص ۱۰، ۱۱ نامی پریس لکھنؤ، ۱۹ء [۲] مولانا حافظ محمد عمران خاں ندوی: مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۱۴۶ مکتبہ جمعیۃ التعاون دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۹۴ء [۳] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: پرانے چراغ حصہ اول ص ۱۳۸ [۴] ایضاً ص ۱۳۶ و کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۰۰ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۳ء ص ۱۰۴ [۵] پرانے چراغ حصہ اول ص ۱۴۰ تا ۱۵۰ [۶] ایضاً ص ۱۴۱ و ۱۴۲ [۷] ایضاً ص ۱۵۰ و ۱۵۱ [۸] ایضاً ص ۱۰۰ و کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۲۹ [۹] کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۳۹ و ۱۴۰ [۱۰] ایضاً ص ۴۳ و ۴۴ [۱۱] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۳۰، [۱۲] ایضاً ص ۱۸۱ [۱۳] ایضاً ص ۱۸۱ [۱۴] ایضاً ص ۱۸۵ [۱۵] ایضاً ص ۱۸۶ [۱۶] پرانے چراغ حصہ اول ص ۳۳ [۱۷] ایضاً ص ۵۰ [۱۸] ایضاً ص ۶۵ و ۶۶ [۱۹] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۱۸۷ و ۱۸۸ [۲۰] ایضاً ص ۱۸۱ [۲۱] ایضاً ص ۱۸۱ [۲۲] مولانا ابوالحسن علی ندوی: مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی (فہرست مضامین) ص ۵ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۱ء [۲۳] کاروان زندگی ص ۳، تا ۵، ۲ [۲۴] مولانا ابوالحسن علی ندوی: الصراع بین الایمان والمادیۃ ص ۱۲ طبع اول دار القلم کویت ۱۹۷۱ء [۲۵] ایضاً ص ۱۱تا ۱۲ [۲۶] ایضاً ص ۱۴ [۲۷] ایضاً ص ۱۱، ۱۲ [۲۸] ایضاً ص ۱۶ [۲۹] ایضاً ص ۱۶ [۳۰] ایضاً ص ۲۰ [۳۱] ایضاً ص ۲۱ [۳۲] ایضاً ص ۲۲ [۳۳] ایضاً ص ۲۲ و ۲۳ [۳۴] ایضاً ص ۳۳ [۳۵] ایضاً ص ۲۳ [۳۶] ایضاً ص ۲۶ [۳۷] ایضاً ص ۴۰ و ۴۱ [۳۸] ایضاً ص ۴۴ و ۴۵ [۳۹] ایضاً ص ۱۰۲ [۴۰] ایضاً ص ۱۰۳ [۴۱] ایضاً ص ۱۰۱ [۴۲] ایضاً ص ۱۰۱ [۴۳] ایضاً ص ۱۰۵ [۴۴] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ارکان اربعہ ص ۵ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۱ء [۴۵] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ص ۵۵ و ۵۶ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۰ء [۴۶] ایضاً: علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں ص ۹ تا ۱۱ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۱ء [۴۷] احمد سعید ملیح آبادی: روزنامہ آزاد ہند ۱۰ فروری ۲۰۰۰ء۔

اقبال کی چند بصیرت افروز اصطلاحیں

جناب محمد بدیع الزماں صاحب ٭

فنی کاوش کا تجزیہ نہ صرف فن کی باریکیوں کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا
س پر کیونکہ اگر صاحب فن کی شخصیت عظیم ہے تو وہ فکر و فن دونوں
وجود میں لاتا ہے جو قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپا دیتا ہے۔ اقبال
ں میں دس ہزار سے بھی زائد مضامین رسالوں میں شایع ہوئے
وں پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ فن نام صرف ہیئت اور اسلوب بیان
سے منسوب ہیں ان پر فکر کی ایسی آمیزش کا نام ہے کہ فن خود فکر کا
بال کی زبان و بیان پر قادر الکلامی کا یہ ہے جہاں انہوں نے الفاظ
زائد بصیرت افروز اصطلاحیں وضع کیں اور انہیں اپنے اشعار میں
پنی پیام رسانی کا آلہ کار بنایا۔ ایسی ساری اصطلاحیں اردو شاعری
طلاحوں میں بہت سے الفاظ تو ایسے ہیں جو بظاہر دیکھنے میں بہت
ہوتے ہیں مگر اقبال نے اپنی قادر الکلامی سے ان سے ایمان و
ر اخلاقیات کے نکتوں کو ذہن نشین کرانے کا کام لیا۔ اس ضمن میں
ر الکلامی کا عالم یہ ہے کہ وہ لفظ سے مشتق ایک ہی اصطلاح کو

٭ ... پٹنہ۔

مختلف اشعار میں معنی بدل بدل کر ایسا استعمال کرتے ہیں کہ اس شعر کے موضوع کی مناسبت سے اس سے بہتر دوسری اصطلاح نہیں ہوسکتی تھی۔ الفاظ سے مشتق اصطلاحوں کا اقبال نے اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ ایک فرہنگ تیار ہوسکتی ہے۔

اس مضمون میں بہ خوف طوالت الفاظ سے مشتق اقبال کی چند اصطلاحیں پیش کی جارہی ہیں جو بصیرت افروزی کا سبق ہی نہیں دیتیں بلکہ اس دنیا میں لے جاتی ہیں جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

کوکب، کوکبی : "کوکب" کی اصطلاح سے اقبال نے آدم یعنی انسان مراد لیا ہے، اسی معنی میں "بال جبریل" کی غزل ۲ (اول) کا یہ شعر ہے ؎

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن — زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

اس شعر میں اقبال نے اس عظیم الشان صداقت کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ اے خدا! اس دنیا کی رونق محض آدم کے دم سے وابستہ ہے اور تیری دنیا اسی کوکب کی تابانی سے منور ہے۔ اگر جذبۂ عشق ختم ہوجائے تو یہ کوکب تاریک ہوجائے گا اور زوال آدم خاکی سے آدم کا نقصان نہیں بلکہ خود خالق آدم کا نقصان ہوگا۔ کیونکہ جمادات، نباتات اور حیوانات تو آپ سے محبت نہیں کرسکتے اور نہ آپ کے نام پر سر کٹا سکتے ہیں یہ حوصلہ تو آدم ہی کا ہے کہ وہ آپ کے لئے سر بکف ہوکر نکلتا ہے اور اپنے خون سے آپ کی ہستی کا اثبات کرتا ہے۔

چنانچہ "رموز بے خودی" میں اقبال نے اسی حقیقت کو یوں واضح کیا ہے ؎

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

اسی نکتہ پر "بانگ درا" کی نظم "شکوہ" کے اٹھارہویں بند میں یہ شعر ہے ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے — کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے؟

ئے گئے متذکرہ بالا شعر ہی کے معنی میں "بالِ جبریل" کی نظم

۔

۔ عالم گرم　　　سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی

یسے تو بظاہر اقبال خدا سے مخاطب ہیں مگر وہ بلاواسطہ
تے ہیں کہ آدم کی تخلیق بلا مقصد نہیں کی گئی ہے۔ اس نے اس
رض کے منصب جلیلہ پر فائز کیا جو زبدۂ کائنات ہے۔ فرمایا

وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ
جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزماکر
ل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر

۱ اور ۲)

کے متعلق انسان کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور وہ چونکہ اپنے
یا ہے اس لئے آدمِ خاکی روبہ زوال ہے۔ اس سے خدا کا تو
روزِ حشر اپنی بے عملی اور بدعملی کی خدا کے حضور جواب دہی
ہے کہ:

ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف

المومنون : ۱۱۵)

یسے تو بظاہر خدا سے مخاطب ہیں مگر بلاواسطہ انسان پر
ے یہ بے بصر ہی نہیں بلکہ یہ نہ "خود بیں" ہے نہ "خدا بیں"

ہے اور نہ "جہاں بیں" ہے۔ "بالِ جبریل" کی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا　　　کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں　　　یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا؟

ان اشعار میں "خود بیں" سے مراد متکبر کے نہیں بلکہ وہ شخص ہے جسے اپنی خودی کی معرفت حاصل ہو۔ حقیقت پژوہی کے لئے فلسفہ ہو یا سائنس، مذہب ہو یا تصوف یہی چار[۳] طریقے ہیں اور سب کم و بیش انہی تین[۳] مسائل سے بحث کرتے ہیں۔

اقبال نے "کوکب" سے ترتیب دئے گئے شعر میں "زوالِ آدمِ خاکی" کی بات کی ہے۔ مگر اقبال ناامید نہیں ہیں کیوں کہ ان کے لئے "نومیدی زوالِ علم و عرفاں" تھی۔ چنانچہ وہ "عروجِ آدمِ خاکی" کی بھی باتیں کرتے ہیں۔ "بالِ جبریل" کی غزل ۲۰ (اول) میں کہتے ہیں ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں　　　کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

اس شعر میں "انجم" بطور مجاز مرسل مستعمل ہے یعنی ساکنانِ عالمِ بالا۔ ٹوٹا ہوا تارا، کنایہ ہے حضرت آدم سے اور اس جگہ مجازاً مستعمل ہے اولادِ آدم کے لئے اور "مہِ کامل" استعارہ بالکنایہ ہے جس سے مراد ہے آدم کا اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ جانا یعنی مقامِ خلافتِ الٰہیہ پر فائز ہوجانا۔ انہی معنوں میں "عروجِ آدمِ خاکی" سے کلام میں ایک اور شعر اسی مجموعہ کی غزل ۴۲ کا یہ ہے ؎

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام　　　یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

"کوکب" کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں درج ذیل چار[۳] اشعار اور ہیں جو علی الترتیب "بانگِ درا" کی نظمیں "آفتابِ صبح"، "مسلم"، "جوابِ شکوہ" کے اکتیسویں بند اور "تضمین بر شعر ابوطالب کلیم" میں ہیں:۔

اغ مدادشب مٹا آسماں سے نقش باطل کی طرح کوکب مٹا

لم کوکب تابندہ ہے جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے

نے کو حرارت تیری کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

وشن تھا کوکب کی طرح ہوگئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبیں

قبال نے "کوکب" سے ستارہ مراد لیا ہے۔ دوسرے شعر میں وہ مسلمانوں

ے تعبیر کرتے ہوئے یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ مسلمان دنیا کی تقدیر کا

ی دنیا کا عروج مسلمانوں کے عروج سے وابستہ ہے اور یہ ستارہ صبح کی

یلا ہے۔ اس شعر کو اس کے قبل کے درج ذیل شعر کے ساتھ پڑھا جائے

ر اور واضح طور پر سامنے آتا ہے ؎

انی عالم کی ہے میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

عار میں اقبال نے اسی "کوکب" یعنی مسلمانوں کے وجود کو دنیا کی زینت

ی ہے کہ اگر دنیا مسلمانوں کے وجود سے خالی ہوجائے تو انسانیت

ے گی۔

ں اقبال نے "کوکب" سے ایک ترکیب "کوکبِ قسمت امکاں" وضع کی ہے

ن نشین کراتے ہیں کہ دنیا محض مسلمانوں کے وجود سے قائم ہے اور یہ کہ

ت تقدیر ہوچکی ہے۔

ں اقبال یہ تلقین کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں کو شعار

تھا اور ان کی زندگی پکار پکار کر ان کے مسلمان ہونے کا ثبوت دیتی

انی پر سجدہ کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ جس نشان میں ستاروں کی چمک

تھی تیری جبیں اب اس سے ناآشنا ہوگئی ہے یعنی تجھ میں اب عشق رسولؐ باقی نہیں ہے۔

اقبال نے "کوکب" سے ایک اصطلاح "کوکبی" بھی وضع کی ہے جس سے وہ تابندگی مراد لیتے ہیں۔ اس اصطلاح سے کلام میں ایک ہی درج ذیل شعر "بالِ جبریل" کی نظم "فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں" میں ہے ؎

سُنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ضرور ہے مگر اس کا جوہرِ حیات (روح) خاکی نہیں بلکہ روحانی و نورانی ہے اس لئے اس میں تابندگی اور درخشندگی کی صفت پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جیسا سورۃ الحجر کی آیت ۲۹ میں ارشاد ہے، خود "اپنی روح سے کچھ پھونک دیا ہے جو دراصل صفاتِ الٰہی کا ایک عکس یا پرتو ہے اور اسی پرتو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ اور ملائکہ سمیت تمام موجوداتِ ارضی کا مسجود قرار پایا۔

قرآن کا مخاطب انسان ہے اس لئے ہر زمانے میں حکیموں اور فلسفیوں نے انسان ہی کی تفتیش کو موضوع بنایا۔ اقبال نے بھی اپنے سارے کلام میں خدا سے زیادہ اس انسان کی تلاش کی ہے جسے جامِ شعور پلا کر خدا نے دنیا میں بھیجا تھا۔ اقبال اور انسان کے موضوع پر منفرد اشعار کے علاوہ "بانگ درا" کی نظمیں "انسان اور بزم قدرت"، "سرگزشتِ آدم"، "انسان" (بعد از نظم "عشرتِ امروز")، "انسان" (بعد از نظم "موٹر")، "بالِ جبریل" کی نظمیں "فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں" اور "روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" اور "ضربِ کلیم" کی نظم "زمانۂ حاضر کا انسان" اس تلاش پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

فقرِ غیور "فقرِ غیور" کے لغوی معنی تو غیرت مند فقر کے ہیں مگر اقبال نے اسے لغوی معنی کے علاوہ اسلام اور روحِ اسلام کے معنوں میں بطور استعمال کیا ہے۔ "ضربِ کلیم"

س فقر کی ماہیت اقبال یہ بتاتے ہیں ؎

س مقام رکھتا ہے — وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

فکر میں غیرت مندی سب سے اہم چیز ہے۔"ارمغان حجاز" کی نظم "بڈھے
یں کہتے ہیں ؎

ک ودو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

طلاح سے اقبال کے کلام میں کل چار اشعار ہیں۔پہلا شعر "ضرب کلیم"
یں ہے ؎

ے اے فقرِ غیور — کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر وسیم

" فقرِ غیور" کو اسلام کے مترادف قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو یہ
لام کی کامیابی کا دور آنے والا ہے کیونکہ اقوام یورپ کے سامنے
یں ہے۔ وہ سب دولت اور استعمار کے حرص میں مبتلا ہیں اور
ن کی اخلاقی حالت بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ اس شعر میں "روحِ فرنگی"
ستانہ اخلاقیات ہے۔

سرا شعر اسی مجموعہ کی نظم "اسلام" میں ہے کہتے ہیں ؎

ر کدہ ہے تو خیر — دوسرا نام اسی دین کا ہے "فقرِ غیور"

نے اسلام ہی کا نام "فقرِ غیور" قرار دیا ہے۔ غیور اس لئے کہا گیا چونکہ
سول کے لئے غیرت مخفی ہے۔ اقبال کے نزدیک اگر فقر میں خودداری
و تو وہ فقر نہیں ہے بلکہ قہر الٰہی ہے لیکن اگر اس میں یہ جوہر موجود ہے
ں مومن کے لئے سربلندی اور امیری کی بنیاد بن جاتا ہے۔چنانچہ

"ضرب کلیم" کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے پندرہویں بند میں کہتے ہیں ؎

خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی — ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہید امیری

"فقرِ غیور" کے متذکرہ بالا تصریحات کے پس منظر میں "ضرب کلیم" ہی کی غزل (بعد از نظم "فقر و راہبی") کا یہ شعر بھی ہے ؎

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم — عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جس کا غیور

اس شعر میں عشق سے مراد عشق رسولؐ ہے اور فقر سے مراد ذکر و فکر کا اختلاط ہے۔

"فقرِ غیور" سے تیسرا شعر اسی مجموعہ کی نظم "جاوید سے" کے تیسرے بند میں ہے ؎

یہ فقرِ غیور جس نے پایا — بے تیغ و سنان ہے مردِ غازی

اس شعر میں اقبال فقرِ غیور کی ماہیت یہ بتاتے ہیں کہ جو مسلمان اسے اختیار کر لیتا ہے وہ اپنی زبان سے وہی کام لیتا ہے جو ایک غازی تیغ و سناں سے لیتا ہے۔ یعنی صاحب فقر اور غازی دونوں جہاد کرتے ہیں۔ غازی تلوار سے کفر کا مقابلہ کرتا ہے اور فقیر اپنی زبان سے۔ اقبال اس نظم کے اس بند میں اپنے صاحب زادے جاوید اقبال کو (جو پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے) جو اس وقت زیرِ تعلیم تھے۔ اگر فقر کا درس دیتے ہیں تو انہیں یہ بھی درس دیتے ہیں، جس کا اطلاق عام مسلمانوں پر ہوتا ہے کہ:

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر — جس فقر کی اصل ہے حجازی

اس فقر سے آدمی میں پیدا — اللہ کی شان بے نیازی

"فقرِ غیور" سے چوتھا اور آخری شعر اسی مجموعہ کی نظم "محراب گل افغان کے افکار" کے پہلے بند میں ہے ؎

اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا — خلعتِ انگریز یا پیرہن چاک چاک

...ل نے" فقرِ غیور" سے شان استغنا مراد لیا ہے۔ محراب گل اپنی شان
...اپنی افغان قوم کو جو انگریزوں سے برسرِ پیکار تھی، کہتا ہے کہ انگریزوں
...ں کی خلعتِ فاخرہ پر، جو ضمیر فروشی سے حاصل ہوتی ہے۔ میں اپنے
... دیتا ہوں، کیونکہ اس میں غیرت کا مادہ ہے۔

...ی : اقبال" فقیری" کی اصطلاح سے مسکینی و ناداری مراد نہیں لیتے بلکہ
...یں۔ اگر وہ اپنے لڑکے جاوید کو اس فقر کو ڈھونڈنے کی صلاح دیتے
...زی" (جس حجازی سے مراد قرانی ہے)، تو وہ" فقیری" میں" بوئے
...ی قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی شانِ بے نیازی کو مثالی بنا کر
...ں کہتے ہیں ؎

...قیرِ اولی — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

...ح سے اقبال سرداری مراد لیتے ہیں۔ اس اصطلاح سے اقبال
...ب اشعار ہیں۔ جو سب" بال جبریل" میں ہیں۔ پہلا شعر اس مجموعہ
...ہے ؎

...یت تھی — ساقی کہاں اس فقیری میں میری

...نے رہبانیت کی مذمت کی ہے جو خالص نصرانیت کی ایجاد ہے۔
...ی مترادف ہے۔ قرآن خود اس رہبانیت کی مذمت کرتا ہے۔
...ے۔ ارشاد ہے :

...حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں) نے خود ایجاد کرلی، ہم نے ان پر فرض
...خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکال لی اور

پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا، مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں"۔ (الحدید:۲۷)

اسی لئے اقبال کہتے ہیں کہ رہبانیت کی فقیری وہ فقر نہیں جو اسلام کی روح ہے کیونکہ اس فقیری میں سرداری کی گنجایش نہیں۔ اس کے برعکس" میری" کی اصطلاح سے نظم" فقر" میں وہ اس فقیری کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں جس کی روح قرآنی ہے۔ حضرت امام حسینؓ کو مثالی بنا کر کہتے ہیں ؎

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری — میراث مسلمانی، سرمایہ شبیری

"میری" سے تیسرا شعر اس مجموعہ کے درج ذیل قطعہ میں ہے۔ جس کا عنوان" سوال" ہے۔

اک مفلس خود دار یہ کہتا تھا خدا سے — میں کر نہیں سکتا گلۂ دردِ فقیری
لیکن یہ بتا، تیری اجازت سے فرشتے — کرتے ہیں عطا مردِ فرومایہ کو میری؟

اس شعر میں اقبال نے فطرت انسانی کی ترجمانی کی ہے کیونکہ جو شخص بھی غور و فکر کرسکتا ہے اس کے دماغ میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں کم ظرفوں اور ناداروں کو میری یعنی سرداری اور حکومت کیوں حاصل ہوجاتی ہے۔ دراصل اس قطعہ میں اقبال نے جو سوال کیا ہے۔ اس کا مقصد محض انسان کی بے مائگی اور بے چارگی کا اظہار ہے۔

فقیری، امیری، وزیری، سربزیری: " فقیری" کی ماہیت اس کے قبل کے ذیلی عنوان میں گزر چکی ہے۔" امیری" سے اقبال کی مراد سرداری اور حکومت اور" وزیری" سے حکومت کی نمائندگی ہے۔" امیری" کی اصطلاح سے کلام میں کل سات درج ذیل اشعار ہیں جو علی الترتیب" بال جبریل" کی ایک رباعی اور اس مجموعہ کی نظمیں" دین و سیاست" اور" جاوید کے نام" (بعد از نظم" ستارے کا پیغام") میں ہیں اور اس کے بعد دو[2]" ضرب کلیم" کی نظم" جاوید سے"

محراب گل افغان کے افکار" کے پندرہویں بند میں ہیں اور ایک" ارمغان
ہے۔" وزیری" سے کلام میں ایک ہی شعر ہے جو تیسرے شعر میں
ہے :

ن کی امیری — رہا صوفی گئی روشن ضمیری
ب ونظر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری
ں میں جس کا دم جدا ہی — ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
ں فقیری ہے — خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر
ہے امیری — اللہ سے مانگ یہ فقیری
وہ ہے قہر الٰہی — ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہید امیری
سود امیری — کہ غیرت مند ہے میری فقیری
وشی سے جس نے — مسلماں کو سکھا دی سر بزیری

عر رباعی کا ہے جن میں اقبال مسلمانوں کی موجودہ حالت پر تاسف
و مسلمانوں میں اب ایمان کا رنگ ہے اور نہ انہیں" امیری" یعنی
د ہے صوفی تو وہ بہت ہیں مگر ان میں" روشن ضمیری" یعنی روحانیت
لئے وہ مسلمانوں کو اسی شانِ فقر کے حصول کی دعا کرنے کی صلاح
ئی جاتی تھی۔ دوسرے شعر میں" وہی" اشارہ اسلاف کے جذبۂ
ت ہے کیونکہ جب تک فقیری کی شان پیدا نہیں ہوگی تو

ال یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ جب مذہب اور سیاست میں

تفریق ہوگئی تو اربابِ حکومت نے خدا کے بجائے نفس امارہ کی پرستش شروع کر دی۔ اسی کو اقبال نے" ہوس کی امیری" اور" ہوس کی وزیری" کہا ہے۔ اربابِ حکومت کے اسی نفس امارہ کی پرستش کو جو" دین و دولت" کی جدائی سے ظہور پذیر ہوتی ہے اقبال نے" بال جبریل" کی غزل ۱۷ میں" چنگیزی" کا نام دیتے ہوئے اس تفریق کے مضر اثرات پر یوں روشنی ڈالی ہے

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو — جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چوتھے شعر میں" فقیری" سے مراد غریبی اور" امیری" سے مراد عزت، شہرت اور ناموری ہے۔ اس شعر میں اقبال اپنے لڑکے جاوید کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ اگر انسان ہمت اور استقلال سے کام لے تو غریبی میں بھی نام پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے تو وہی طریق اختیار کر جو میرا ہے یعنی غریبی میں نام پیدا کر۔ دوسری بات یہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ انسان عزت، شہرت اور ناموری کے لئے اپنی خودی کو بیچتا اور ضمیر فروشی کرتا ہے اس لئے تو ایسی ضمیر فروشی سے اجتناب کرنا۔" بال جبریل" کی نظم" خودی" میں اسی نکتہ کو استعارے میں اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض — نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

پانچویں شعر میں اقبال اپنے لڑکے جاوید کو ان ہی باتوں کی نصیحت کرتے ہیں۔ اس شعر میں" اسی" سے مراد" فقر غیور" ہے جو اس شعر کے قبل آیا ہے اور جس شعر پر روشنی اس کے قبل کے ذیلی عنوان" فقر غیور" کے تیسرے شعر میں ڈالی جا چکی ہے ؎

یہ فقر غیور جس نے پایا — بے تیغ و سناں ہے مرد غازی

چھٹا شعر قبل کے ذیلی عنوان" فقر غیور" کے دوسرے شعر میں آ چکا ہے جس پہ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اور آٹھواں شعر "ارمغان حجاز" کی رباعی کا انہیں معنوں میں ہے جن معنوں

عر ہے۔

ی" سے کلام میں کل دو ہی اشعار ہیں۔ اس اصطلاح سے ایک شعر تو "ارمغان

ں گزر چکا۔ دوسرا شعر "بال جبریل" کی نظم "دین و سیاست" میں ہے ؎

تھی سلطانی و راہبی میں ‌ ‌ ‌ ‌ کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری

ی" سے اقبال کی مراد صرف غلامی ہی نہیں بلکہ ذلت، نکبت اور نامرادی

کو اس کے قبل کے ذیلی عنوان "فقیری میری" میں "میری" سے ترتیب دیے گئے پہلے

ا جائے تو یہ شعر پوری گرفت میں آجاتا ہے۔

معمولی اور ہلکے پھلکے الفاظ سے مشتق اقبال کی چند بصیرت افروز اصطلاحیں

ایمان و یقین، اسرار و معارف، تصوف و فلسفہ کے سمندر کو کوزہ میں

ں تک بصیرت کی بات ہے "بال جبریل" کی ایک رباعی میں اقبال نے

رو میری یہی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرا نورِ بصیرت عام کر دے

رت افروز اصطلاحیں اقبال کی اسی نور بصیرت کو عام کرنے کی سمت

وشش ہے۔

کلیاتِ شبلی (اردو)

مرتبہ سید سلیمان ندوی ؒ

وم کی اردو مثنوی قصائد، مسدس، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی نظموں کا مکمل مجموعہ۔

ضخامت ۱۳۰ صفحے۔ قیمت ۲۵ روپے

معارف کی ڈاک

(۱)

ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، لکھنؤ

محترم و معظم جناب مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی زیدت مکارمہ

ناظم دار المصنفین۔ اعظم گڈھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و صحت ہوگا، آپ کا عنایت نامہ مجھے موصول ہوا، اس سے قبل معارف کا اداریہ دیکھا، آپ نے جس تعلق خاطر اور قدر کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا ہے وہ آپ کے خلوص و محبت کا پوری طرح غماز ہے، پھر زبان و اسلوب بیان میں بھی منفرد حیثیت رکھتا ہے، پڑھ کر دل پر اثر پڑا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دار المصنفین کے ساتھ جو مخلصانہ اور قدردانہ ربط و تعلق تھا اس کے اعتراف و قدر کا آپ نے حق ادا کر دیا، میں جانتا ہوں اور دیکھتا رہا ہوں کہ دار المصنفین کے بقا و ترقی کی حضرت مولانا کو کیسی فکر رہتی تھی اور جب اس کے تذکرہ کا موقع ہوتا تو فکر و دلچسپی کے الفاظ سے کرتے اور کہتے کہ اس کی بہتری کے لئے جو کیا جا سکتا ہو کرنا چاہئے، اس کو اپنا ادارہ اور ایسا ادارہ سمجھتے جیسا خود اپنا یا اپنے باپ دادا کا قائم کردہ ادارہ ہو، یہ بات ندوہ کے ساتھ بھی تھی جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے، ان کی یہ دلچسپی دیکھ کر ہم کو بھی فکر ہونے لگتی تھی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہئے، اب مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی باتیں اور ان کی فکریں ہمارے سامنے ہیں، ان کا حق ادا کرنے کی ہم پر ذمہ داری ہے، ندوہ کے اہل شوریٰ نے مجھ پر ذمہ داری ڈالی ہے یہ میری سطح سے بہت بلند ہے لیکن ان کو حسن ظن ہوا ہے، دیکھئے کتنا صحیح ثابت ہوتا ہے، دار المصنفین کو تو

و صاحب معیار شخص حاصل ہے، اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ
ا اور جو دارالمصنفین کے لئے تعیں پورا فرمائے۔
ں کے لئے آپ تشریف لائے اور مجھ سے ایسے حالات میں ملاقات
ال بنا ہوا تھا کہ فی الفور نہ سمجھ سکا کہ آپ ہیں، آپ ابھی والیسی
ی آمد پر اظہار قدر نہ کر سکا اور نہ آپ کو آرام کرنے کے لئے اور
ں کا اثر طبیعت پر رہا۔ پھر مسلسل تعزیت کے لئے آنے والوں اور
ا مشغول رکھا کہ آپ کو میں خط بھی نہیں لکھ سکا۔
عنایت فرمائی کہ ایسے سخت موسم میں سفر کیا اور اپنی رات بے آرامی
ہترین صلہ دے۔
سناروں میں میں بھی مدعو ہوں، علی گڑھ کا تو ارادہ ہے لیکن ابھی
ہ علی گڑھ کے عربک ڈپارٹمنٹ کے سمینار میں بھی شرکت نہ کر سکا،
ت رہی، ندوہ کی مجلس انتظامی کے ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات
ں لا سکیں تو بہت خوشی ہوگی لیکن دشواری اور مشقت ہو تو اصرار
یں آپ کی شرکت دارالمصنفین کی مصلحت میں بھی ہے اس لیے
ے موقع پر دارالمصنفین کے جلسہ کا انعقاد امید ہے کہ موزوں

والسلام

مخلص: محمد رابع ندوی

(۲)

آج کل (اردو)، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی۔

۱۴ مارچ ۲۰۰۰ء

مولانائے مکرم! السلام مسنون۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

جناب کا نوازش نامہ مل کر باعث صد افتخار و مسرت ہوا۔ معارف میں جناب کے تاثرات پڑھ کر میں نے دانتوں میں انگلی دبالی۔ اللہ اللہ کیا الفاظ آپ لائے ہیں اور کس طرح سے جوش و جذبہ اور عقیدت کے تحت آپ نے مولانا کو دلی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ میں ایسی تحریر کے لئے آپ کو مبارکباد دینا چاہتا تھا لیکن دفتر کی دیگر مصروفیات کے تحت بھول گیا تھا کہ آپ کے کارڈ نے مہمیز لگائی۔

میرے سلسلے میں آپ نے جو مبالغہ آرائی کی ہے وہ یقیناً میرا دماغ خراب کرنے کے لئے کافی ہے۔ بہرحال ان ہمت افزا کلمات کے لئے میں سراپا سپاس ہوں۔ میرے پاس واقعی الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کے مضمون کی تعریف کر سکوں اور کیوں نہ ہو، وہ مضمون بھی کس شخصیت سے متعلق تھا اور آپ نے حق رفاقت ادا کر دی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ان کے احسانات اور ان کے قرض کی ادائیگی آپ نے بہ کمال تمام ادا کر دی۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین!

مخلص: محبوب الرحمن فاروقی

(۳)

دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

۸ر ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یت ہوں گے، اپنے حضرت نور اللہ مرقدہ و برّد مضجعہٗ کے

ن بار بار پڑھا گیا، دل سے نکلی تحریر نے ہم سبھوں کو متاثر کیا،

نلق کی یاد آج اس وقت تازہ ہوگئی جب راقم اپنی وہ ڈائری

ا کرتا تھا۔ منگل ۳ ر رمضان ۱۴۱۵ھ کا تکیہ شاہ علم اللہ

:

قت دار المصنفین کے ناظم اور مدیر معارف مولانا ضیاء الدین

رتؒ کھڑے ہوکر ان سے ملے اور اکرام کیا۔ عشاء بعد مجلس میں

نے حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ دار المصنفین کے

ان کو پہچان لیجیے۔ بعد میں آپ لوگ فخر کریں گے"۔

رت رحمۃ اللہ علیہ کے خوب درجات بلند فرمائے، ان کے معارف

سلہ مساعی اور خدمات کو پورے طور سے قبول فرمائے۔

کانہ شفقتیں، عنایتیں اور اعلیٰ درجہ کا اخلاق کہ وہ پیکر خلق

الے کبھی یاد آتے ہیں۔ دعا کی نیاز مندانہ درخواست ہے

نؤ میں حضرتؒ کی آفاقی شخصیت پر ۲۸-۲۹-۳۰ مارچ

آنجناب کی اس موقع پر تشریف آوری ہوگی اور ملاقات کا

والسلام مع الاکرام

محمود حسن حسنی ندوی

مطبوعات جدیدہ

اردو کی منتخب تاریخوں کا تنقیدی جائزہ از جناب ڈاکٹر غلام رسول ساجد

متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت، مناسب، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۴۰

قیمت ۳۰۰ روپے پتہ: ۱۰/۷، سی بلاک نوبا بھاوے نگر، پائپ روڈ کرلا (ویسٹ)

ممبئی ۷۰۰۰۰ ۴ اور انجمن ترقی اردو کے مکتبے۔

اردو ادب اور اس کے مختلف اصناف کی تاریخ کے متعلق ذخیرۂ کتب کو موضوع تحقیق بنانا آسان کام نہیں، انتخاب کی حد و قید بھی اس کے لئے کافی نہیں لیکن زیر نظر ضخیم کتاب میں لائق مصنف نے اس مشکل اور دشوار گزار راہ کو بڑی خوبی سے طے کیا، پی ایچ ڈی کے لئے ان کا یہ مقالہ یونیورسٹیوں کے موجودہ معیار کے برخلاف تحقیق و تفحص اور مطالعہ و سلیقہ کا عمدہ نمونہ ہے، سات ابواب میں اردو زبان و ادب اور تذکرہ و تاریخ نویسی کی ابتدا و ارتقا پر بحث کرنے کے بعد تاریخ ادب نیز اردو کی علاقائی، دبستانی، تحریکی، اصنافی اور تدریسی تاریخ کی قریب پونے دو سو کتابوں کا جائزہ اس طرح لیا گیا ہے کہ ان کے حسن و قبح اور نقص و امتیاز کا متوازن اور غیر جانب دار تجزیہ سامنے آجاتا ہے، تذکرہ نویسی اور تاریخ نگاری کے درمیان آب حیات کو درمیانی کڑی سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے بعد خم خانہ جاوید، گل رعنا، اور شعر الہند جیسی کتابوں کی زمین ہموار ہوئی، یہ سلسلہ ۱۹۸۵ء تک کی مطبوعات پر محیط ہے، اس سے لائق مصنف کی غیر معمولی جاں فشانی و دیدہ ریزی کا اندازہ ہوتا ہے، ہر صنف ادب کی کتابوں کے مفصل تعارف کے بعد مجموعی طور پر ان کے متعلق تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

بارتیں واضح نہیں ہیں مثلاً" ... کیونکہ منطقی رویہ سے تحقیقی دلائل قابل قبول
ص ۲۷۲ "مقالہ نگار کو یقین نہیں ہے پھر بھی ان کا تذکرہ بے سود ہے"،
ظر گراں مایہ تصنیف کے ہر باب کی تکنیک ہے سیاسی و سماجی پس منظر، مختصر
کے حالات ..." ص ۲۹۵" ... دکن میں مسلمان خاندان کے عروج کے ساتھ
لے بڑھی" ظاہر ہے کہ ادبی تاریخ کی دنیا میں اب یہ تھیوری فرسودہ ہو چکی ہے"
طرح ص ۳۰۶ کا آخری جملہ وغیرہ، بعض عبارتیں ناقص و ناتمام ہیں جیسے
ں ہے گریرسن، محی الدین قادری زور، محمود شیرانی، مسعود حسین خاں، شوکت
یدسلیمان ندوی وغیرہ نے" ص ۲۶۵، اس کے بعد دوسرا پیراگراف شروع
نا بھی درست نہیں کہ مہدی افادی کے خطوط میں غالب کے انداز بیان کا
تابیات میں نول کشور پریس سے شایع ہونے والی صفا بدایونی کی شمیم
ت ۱۹۹۱ء دیا گیا ہے جو غلط ہے، فہرست مضامین کو شروع میں اور بہتر
ہے، ان تسامحات کے باوجود یہ کتاب اپنے موضوع پر بڑی مفید و مستحسن
س کے لئے لائق مصنف اور ان کے فاضل اساتذہ شیخ فرید، آدم شیخ اور
انی بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ید کا سفر، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تناظر میں: از جناب ڈاکٹر تابش

سط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۰۴، قیمت

پتہ: انجمن ترقی اردو ہند، اردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی اور مکتبہ جامعہ

ں اصلاً ایک تحقیقی مقالہ ہے، جس میں اردو تنقید کے میدان میں جامعہ

ملیہ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور نقادوں کی خدمات کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا ہے، آغاز سے اب تک جامعہ کے در و دیوار متعدد نامور اصحاب فکر و نظر سے معمور رہے، اس علمی روایت و تسلسل کی نعمت کم تعلیمی اداروں کو حاصل رہی، خوشی ہے کہ اس قابل قدر میراث کے ایک پہلو یعنی فن تنقید کے مجموعی جائزے پر توجہ کی گئی، شروع کے قریب سوا سو صفحات میں تنقید کے مفہوم، اردو تنقید کے ابتدائی نقوش اور پھر مختلف تنقیدی نظریات و مکاتب فکر کے سلسلے میں حالی و شبلی سے آل احمد سرور تک چند اہم نقادوں کے طرز تنقید کا عمدہ تجزیہ کیا گیا ہے، اس کے بعد تین ابواب میں خاص جامعہ کے اہل نقد و نظر کا ذکر ہے جس کو زمانی ترتیب سے ۱۹۴۷ء سے پہلے اور مابعد کے دور میں تقسیم کیا گیا ہے، مولانا اسلم جیراجپوری، سعید انصاری اور سید وقار عظیم کا تعلق دور اول سے اور ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر مجیب، عبداللطیف اعظمی اور پروفیسر مسعود حسین کا ذکر تقسیم ہند کے بعد کے نقادوں میں ہے، ہم عصر تنقید کا باب نسبتاً زیادہ تفصیل سے ہے اور درحقیقت یہی دور زیادہ درخشاں اور نمایاں ہے جس میں تنویر احمد علوی سے قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی تک چودہ نقادوں کا ذکر ہے ان میں گوپی چند نارنگ، منظر اعظمی، مظفر حنفی، عنوان چشتی اور شمیم حنفی وغیرہ جیسے معروف نقاد شامل ہیں، کتاب کے بارے میں یہ تاثر درست ہے کہ اس سے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تنقید کی روایت سے واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ مختلف ادوار میں اس کے اساتذہ کی انفرادی کوششوں کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اسلوب اور زبان کی شائستگی اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ البتہ یہ جملہ کھٹکتا ہے کہ نیاز فتح پوری کی نگاہ بہت شارپ تھی،" مولانا اسلم جیراجپوری کے اس قول کے متعلق

یں قدیمی آشنائی ہے، جس قدر صوفیہ گزرے ہیں سب کا نام عشاق
ں ہے"۔ بڑے پتے کی بات کہنا بھی محل نظر ہے۔

دین اولیاؒ از جناب پروفیسر عبدالرحمن مومن، متوسط تقطیع،
بہترین، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۷۱، قیمت ۱۲۰ روپے، پتہ:
ینڈ ڈسٹری بیوٹرز، بی ۳۵ (بیسمنٹ) حضرت نظام الدین اولیاؒ

نظام الدین اولیاؒ کے سوانح اور احوال و کوائف کے سلسلے کی
میں خواجہ صاحب کی تعلیمات اور ان کی جامعیت، معنویت اور افادیت
پیش کیا گیا ہے، فاضل مصنف کا خیال ہے کہ گو خواجہ صاحبؒ کے
شایع ہو چکی ہیں لیکن حضرت کے ظاہری و باطنی کمالات کو کما حقہٗ
ب تک ادا نہیں کیا گیا، ان کے اس خیال سے مکمل اتفاق مشکل ہے
یرِ نظر کتاب میں انہوں نے خواجہ صاحبؒ کی سیرت و شخصیت
ات کو کتاب و سنت کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے شروع
ت اور کتاب و سنت سے اس کی مطابقت کے متعلق سنجیدہ اور
ار کھی ہے، خواجہ صاحبؒ کی سیرت میں زہد، حسن خلق، اخلاص،
ضا اور مخالفت نفس جیسے اوصاف و محاسن پر خاص توجہ کی گئی ہے
ل کے ذکر سے اصل تصوف کے متعلق فاضل مصنف کے احساس
ہ۔

ب از جناب محمد نصیر الدین ہاشمی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ

وطباعت، مجلد صفحات ۱۸۶، قیمت درج نہیں، پتہ: کتب خانہ خواتین دکن و ادارہ
تحقیقات ۱/۳-۵-۱۰، مان صاحب ٹینک، حیدرآباد ۲۸...۵۰۰ اے پی۔

"دکن میں اردو" والے جناب مولوی سید نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے بیس سال کی عمر میں محبوب دکن میر محبوب علی خاں آصف سادس کی یہ سوانح حیات مرتب کی تھی جو ان کی اولین علمی کاوش تھی، لیکن بوجوہ یہ وقت پر شایع نہ ہو سکی، ۱۹۹۵ء میں ہاشمی صاحب مرحوم کے صد سالہ یوم ولادت کا اہتمام کیا گیا تو ان کے سعادت مند صاحبزادے ڈاکٹر ظہیر الدین ہاشمی نے اس مفید کتاب کے طبع و اشاعت کا فرض ادا کیا، میر محبوب علی خاں کا دور حکومت سلطنت آصفیہ حیدرآباد کا نہایت زریں و روشن باب ہے ان کی اور ان کے عہد کی مبسوط تاریخ کی ضرورت تھی، ہاشمی صاحب مرحوم نے اسی ضرورت کے پیش نظر اس کتاب میں میر محبوب علی خاں کی شخصیت، اوصاف و کمالات اور ان کے عہد کے اہم واقعات کا بڑا دلکش و موثر مرقع پیش کیا، موجودہ دور میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مثالی حکومت خصوصاً ان کی مذہبی رواداری کی ایسی داستانوں کی اہمیت اور سوا ہو گئی ہے، اس نادر کتاب کی اشاعت کے لئے اس کے ناشر شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

پریم چند: متفرقات متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۱۲، قیمت ۷۵ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵...۱۱۰۔

خدابخش لائبریری پٹنہ کی مطبوعات میں زیر نظر کتاب عرصہ ہوا موصول ہوئی تھی، افسوس ہے کہ اس کا ذکر خاصی تاخیر سے ہوا، کتب خانہ خدابخش کے اشاعتی منصوبے میں اردو کے پرانے اور اہم رسائل سے مفید و منتخب مضامین کے مجموعوں کی

ال ہے، پیغام، ہندوستانی، العصر، ادیب، صبح امید اور معیار وغیرہ

ب شایع بھی ہوچکا ہے، منشی دیانرائن نگم کے رسالہ زمانہ کانپور کا

ں بھی، اسی سلسلے میں شامل ہے، منشی پریم چند کی تحریروں کے متعلق یہ

ن کے ابتدائی نقوش صرف رسالہ زمانہ میں ہی تلاش کیے جاسکتے

ں تحریروں کی چار جلدیں جدا شایع کی گئیں، زیر نظر کتاب چوتھی جلد ہے اس

انیوں اور افسانوں سے الگ ہندو تہذیب اور رفاہ عام، قدیم

ں، رانا پرتاب، سوامی دویکانند، جون آف آرک اور ٹالسٹائی

ت پر دلچسپ تحریریں ہیں، خاص طور پر دور قدیم و جدید اور قحط الرجال

لائق ہیں۔

کا بیان از جناب ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی، متوسط تقطیع،

ت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۴۴، قیمت ۲۴ روپے، پتہ: مکتبہ ندویہ، پوسٹ

، ندوہ، لکھنؤ۔

ن کے متعلق معتقدات وخیالات میں عقل انسانی اکثر افراط وتفریط کا شکار

ں ان کے وجود کا انکار کیا جاتا ہے تو دوسری طرف توہمات اور ضعیف الاعتقادی

سے ہیں، فاضل مصنف نے اس باب میں صحیح اسلامی نقطہ نظر واضح کرنے

لم مرتب کیا اور جنوں کے وجود، ان کی خلقت، اقسام، ان کے کفر وایمان، غذا،

ن کی قوت ونفوذ عمل کے متعلق سلیس زبان میں معلومات فراہم کردیے، ہمزاد

متعلق بھی صحیح عقیدہ اسلامی کی وضاحت کردی، مسلمانوں کے ایک طبقے میں اعتقادی

تقادی کا مرض بڑھتا جاتا ہے توقع ہے کہ یہ کتاب اس بیماری کو دور کرنے میں

ن ہوگی۔

ع۔ ص۔

تصانیف مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

☆ اسوہ صحابہؓ: (حصہ اول) اس میں صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق و معاشرت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔
قیمت ۵۰/روپے

☆ اسوہ صحابہؓ: (حصہ دوم) اس میں صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔
قیمت ۵۶/روپے

☆ اسوہ صحابیاتؓ: اس میں صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کردیا گیا ہے۔
قیمت ۲۰/روپے

☆ سیرت عمر بن عبد العزیز: اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی مفصل سوانح اور ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے۔
قیمت ۳۲/روپے

☆ امام رازی: امام فخر الدین رازی کے حالات زندگی اور ان کے نظریات و خیالات کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔
قیمت ۳۵/روپے

☆ حکمائے اسلام: (حصہ اول) اس میں یونانی فلسفہ کے ماخذ، مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت اور پانچویں صدی تک کے اکابر حکمائے اسلام کے حالات، علمی خدمات اور فلسفیانہ نظریات کی تفصیل ہے۔
قیمت ۵۰/روپے

☆ حکمائے اسلام: (حصہ دوم) متوسطین و متاخرین حکمائے اسلام کے حالات پر مشتمل ہے۔
قیمت ۳۰/روپے

☆ شعر الہند: (حصہ اول) قدماء سے دور جدید تک کی اردو شاعری کے تغیر کی تفصیل اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ۔
قیمت ۹۳/روپے

☆ شعر الہند: (حصہ دوم) اردو شاعری کے تمام اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔
قیمت ۷۵/روپے

☆ اقبال کامل: ڈاکٹر اقبال کی مفصل سوانح اور ان کے فلسفیانہ و شاعرانہ کارناموں کی تفصیل کی گئی ہے۔
قیمت ۸۰/روپے

☆ تاریخ فقہ اسلامی: تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔
قیمت ۱۲۵/روپے

☆ انقلاب الامم: سر تطور الامم کا انشاء پردازانہ ترجمہ۔
قیمت ۷۷/روپے

☆ مقالات عبد السلام: مولانا مرحوم کے اہم ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ۔
قیمت ۹۰/روپے